www.urducouncil.nic.in

اگست 2016، قیمت:- /10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

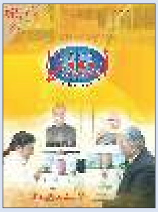

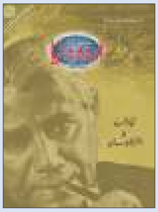
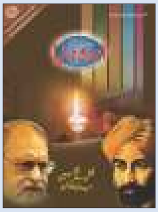

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

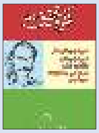

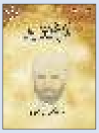

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

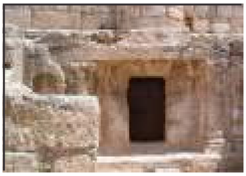

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	ادارہ	05
جشن آزادی	حاجی بیگم اور بہادر شاہ ظفر	پرویز اشرفی	06
	ہمارے دیش کی تہذیب	آنند لہر	09
	قومی یکجہتی	ارشاد خان	09
	ہم ہیں ہندوستانی	یوسف صابر	10
	قومی ایکتا	سہیل عالم	11
	آزادی کا گیت	جاوید اختر عمری	12
کہانیاں	آپ بڑے بھائی ہیں	سید لطف اللہ گورکھپوری	13
	اصحابِ کہف	نصرت شمسی	18
مضامین	بچھو کا ڈنک: موت میں زندگی	شمیم احمد صدیقی	20
	عظیم سائنس داں	راشد جمال فاروقی	24
سائنس کی الف لیلہ	ایک یہودی سائنس داں	سکف اور سکنف	27
سیر کر دنیا کی	عمان ایک خوش حال ملک	کوثر منیر	33
نظم	برسات	ذکی احمد	36
قسط وار ناول	قصہ حاتم طائی	حیدر بخش حیدری	37
کہکشاں	چمن چمن کے پھول	ادارہ	45
	انمول موتی	ضیاء عالم کوسوی	46
	دلچسپ و عجیب خبریں	ادارہ	47
	ہمارا مدرسہ	مصباح	51
	اولمپک ٹارچ	امین احمد نصری	52
	ہماری زبان	ادارہ	53
	ممبئی کے کچھ مشہور اور اہم سیاحتی مقامات		54
	ہنسی کے غبارے	ادارہ	57
ننھے فنکار	کامیابی کا راز	انصاری محمد عمیس وسیم احمد	58
	ایک خوب صورت موتی	مبشرہ خان جاوید خان	59
	بچوں کی پینٹنگ		60
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

بچوں کی دنیا

جلد:4 شمارہ:8 اگست 2016

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110 تھرڈ فلور، سالار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، چھتہ بازار، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! اگست کا مہینہ ہمارے ملک کی زریں تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ پندرہ اگست 1947 کو ہمارے ملک نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی تھی۔ آزادی کی یہ نعمت ہمیں بڑی قربانیوں اور جہدِ مسلسل کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ پندرہ اگست ہمارے لیے آج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا آج سے 69 برس پہلے تھا۔ اس سال ہم 70واں یوم آزادی منا رہے ہیں۔ یہ آزادی کا دن ہمیں اپنے اسلاف کی قربانیاں اور ان کی محنت یاد دلاتا ہے۔ یہ دن ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح آزادی کے جیالوں نے اپنی جان پر کھیل کر وطن عزیز کو آزاد کرایا۔ انھیں اس آزادی کے لیے کن کن مشکلوں اور مسائل سے گزرنا پڑا وہ سب ہم تاریخ سے جان سکتے ہیں:

خوں شہیداں وطن کا رنگ لاکر ہی رہا

آج یہ جنت نشاں ہندوستاں آزاد ہے

آج کا دن ہمیں اپنے اندر جھانکنے کی بھی دعوت دیتا ہے کہ آزاد ملک میں اور غلام ملک میں رہنے کا کیا فرق ہے۔ ہم نے 70 برسوں میں ترقی کی روشن مثال قائم کی ہے اور ہمارا ملک آگے کی طرف بڑھتا جارہا ہے اور ہم جلد ہی دنیا کے اہم اور طاقتور ممالک میں شمار ہوں گے۔

اخوت ومحبت، بھائی چارگی، رواداری، یکجہتی ہمارا بیش قیمت ورثہ ہے۔ ہمارے ملک کی مٹی میں بھی محبت واخوت گندھی ہوئی ہے۔ یہاں سارے مذاہب کے لوگوں کو یکساں حقوق حاصل ہیں اور ہر طرح کی آزادی بھی میسر ہے جبکہ دنیا کے دیگر ممالک میں نسلی، تہذیبی اور ثقافتی سطح پر رسہ کشی کی کیفیت ہے۔ لوگ اپنے بھائیوں کے دشمن بن گئے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی مذہب میں بے قصور کو مارنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن آج لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ہیں ایسے میں آپ سب بچوں کی ذمے داری ہے کہ آپ سب محبت واخوت اور اتحاد واتفاق کا مطلب نہ صرف سمجھیں بلکہ اپنے دوستوں کو بھی بتائیں کہ سب سے بڑا مذہب انسانیت ہے اور ہم سب ایک اللہ کی مخلوق ہیں۔ ہمیں سبھی انسانوں سے پیار، محبت اور ہمدردی سے پیش آنا چاہیے۔ ہم سب اگر بھائیوں کی طرح سوچنے اور رہنے لگیں تو کبھی کہیں کسی طرح کی مشکل پیش نہیں آئے گی اور ہمارا ملک دنیا کے سامنے بھائی چارے کا اعلیٰ نمونہ پیش کرے گا۔ آیئے اِس آزادی کے موقعے پر ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ اپنے پاس پڑوس میں ملنے جلنے والوں میں اور اپنے جاننے والوں میں صرف محبت واخوت کو بڑھائیں گے اور مذہب کی بنیاد پر کوئی بھید بھاؤ نہیں کریں گے۔ آپسی اختلافات بھلا کر ہی ملک کی ترقی ممکن ہے۔ آپسی لڑائی اور تناؤ سے ملک کمزور ہوتا ہے۔

اِس شمارے میں یوم آزادی سے متعلق کچھ تحریریں شامل ہیں جو آپ کو پسند آئیں گی۔ ہم 'بچوں کی دنیا' کو اور بہتر بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اِس میں آپ سب کا ساتھ چاہیے۔ یہ آپ کا رسالہ ہے۔ اسے سنوارنا آپ کا کام ہے۔ ہمیں اپنے مشوروں سے ضرور آگاہ کریں۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

عرصہ دراز سے سوچ رہا تھا کہ 'بچوں کی دنیا' کی پذیرائی کے لیے اپنے دل سے نکلے تاثرات کا اظہار کروں۔ سچائی تو یہ ہے کہ ماہنامہ 'کھلونا' کی اشاعت بند ہونے کے بعد 'بچوں کے ادب' کا ذرّیں ترین باب کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ خادم نے تقریباً چھ برس قبل جناب ڈاکٹر حمیداللہ بھٹ صاحب سے درخواست کی تھی کہ 'کھلونا' کی طرح ہی بچوں کا ایک ماہنامہ جاری کیا جائے۔

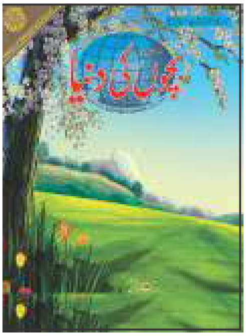

اللہ کا شکر ہے کہ یہ دعا قبول ہوئی اور 'بچوں کی دنیا' کی شکل میں بچوں کا ماہنامہ گلدستہ قومی اردو کونسل سے شروع ہوگیا۔ اس رسالہ نے نہ صرف 'کھلونا' کی کمی کو دور کیا بلکہ یہ اس سے بھی دو قدم آگے ہے۔ اس کی طباعت، ڈیزائننگ اور خوب صورتی تو اپنی جگہ ہیں ہی اس میں شائع شدہ کہانیاں، نظمیں اور کالم بچوں کے لیے بہت موزوں ہیں۔ جناب اسد رضا کی کہانی 'سمجھ' جون 2016 سے یقیناً بچوں کی سمجھ میں اضافہ ہوگا۔ رونق جمال کی کہانی 'یوگ کرشمہ' بڑی کارگر ہے۔ اسی طرح اس شمارے میں تمام کالم جیسے کہکشاں، آپ کا دماغ کتنا تیز ہے، لکھنؤ کے کچھ مشہور اور اہم سیاحتی مقامات اور ننھے فنکار بچوں کے لیے نہایت ہی مفید اور کارگر ثابت ہورہے ہیں۔ اس خوب صورت پیش کش کے لیے راقم پروفیسر ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر عبدالحی اور ان کی تمام ٹیم کو دلی مبارکباد پیش کرنا چاہتا ہوں اور دعا کہ یہ کوشش جاری اور ساری رہے۔

فیروز بخت احمد، ذاکر نگر، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی 25

ماہ جون کے شمارہ میں شمس الاسلام فاروقی صاحب کا مضمون 'لیڈی برڈ بیٹل' بڑا ہی دلچسپ ہے، محترمہ لیڈی کی وجہ تسمیہ سن کر لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی، نیز لیڈی صاحبہ کی تصویر کشی اور ان کے تعارف کا اسلوب بھی بڑا پیارا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ مضمون معلومات سے بھی بھرپور ہے کہ لیڈی صاحبہ ترئی، لوکی اور ٹنڈوں جیسی ترکاریوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ میں 'بچوں کی دنیا' کا بڑا ہی دلدادہ ہوں، میرے بہت سے ساتھی پوچھتے ہیں کہ تمھیں 'بچوں کی دنیا' میں کیا مزہ آتا ہے کہ اتنی پابندی سے پڑھتے ہو، میں مسکرا کر جواب دیتا ہوں کہ ایک مرتبہ پڑھیے پھر پوچھیے گا۔

نعیم احمد، سید پور غازی پور

گذشتہ کئی ماہ بے حد پابندی سے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' زیر مطالعہ ہے اور اس کے کئی کالموں سے نہ صرف بچے بلکہ بڑے بھی مستفید ہورہے ہیں۔ بے حد کم قیمت میں اس قدر معلوماتی، دلکش رسالہ جاری کرکے آپ نے ایک جرأت مندانہ قدم اٹھایا ہے جس کے لیے آپ قابلِ مبارکباد ہیں۔

ملیحہ فاطمہ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

■ پرویز اشرفی

حاجی بیگم اور بہادر شاہ ظفر

پیارے بچو! آج ہم سب اپنے ملک میں سترواں (70واں) یوم آزادی منا رہے ہیں۔ یہ آزادی ہمیں بڑی قربانیوں کے بعد ملی ہے۔ دُنیا جب تک قائم ہے ہم ہندوستانی جنگ آزادی کی کہانی دہراتے رہیں گے تاکہ آنے والی نسلیں تاریخ کے اُن دنوں کو محسوس کر سکیں۔ جب سات سمندر پار سے ایک تاجر قوم نے ہماری آپسی پھوٹ کا فائدہ اُٹھا کر ہمیں اپنا غلام بنا لیا تھا۔ اُس وقت ہندوستان کی قومی ایکتا نے اُن کو منہ توڑ جواب دیا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کی آڑ میں ہندوستان کے چھوٹے چھوٹے علاقوں پر قبضہ جما رہی تھی، ہندوستانیوں کو جب تک اُن کی چالاکی کا احساس ہوتا اُس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ بنگال کے نواب سراج الدولہ، میسور کے بادشاہ ٹیپو سلطان اپنے ہی گھر میں چھپے غداروں کی وجہ سے شہید ہو چکے تھے۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ:

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

انگریزوں نے ہندوستان کے لوگوں پر بہت ظلم کیے۔ یہاں تک کہ عوام میں پھوٹ ڈالنے کے لیے مذہب کا استعمال بھی کیا۔ لیکن بھارت کی قومی ایکتا نے اُن کے ارادوں پر پانی پھیر دیا۔ پیش ہے اسی سے جڑے ہوئے دو واقعے 10 مئی 1857 میں اچانک میرٹھ میں فوجوں نے بغاوت کردی۔ ہندوستانی سپاہیوں نے نئے قسم کی کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ واقعہ یہ تھا کہ اُس کارتوس میں گائے اور سور کی چربی کا آمیزہ ملا تھا اور پہلے اُسے دانت سے توڑنا تھا پھر بندوق میں بارود بھر کر داغنا تھا۔ لہٰذا ایسے کارتوس کے استعمال سے ہندو اور

جشن آزادی

مسلمان دونوں کے مذہبی عقیدے خراب ہوتے۔

باغی فوجیں میرٹھ سے دہلی پہنچیں اور بہادر شاہ ظفر کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اس طرح دہلی میں انگریز اور باغی فوجوں کے درمیان لڑائی شروع ہوگئی۔ ایک طرف انگریزوں کی تربیت یافتہ فوج تھی تو دوسری طرف باغی فوج کے سپاہی اور عوام۔ ہزار کوشش کے باوجود انگریز دہلی پر قبضہ نہیں کر پا رہے تھے۔ کیونکہ ہندو اور مسلمان دونوں متحد تھے۔ اُن کا مقصد انگریزوں کو ملک سے بھگانا تھا۔ اس آپسی ملت کی وجہ سے انگریزوں کی ایک نہیں چل رہی تھی ۔ ایسے میں بقرعید کا مہینہ آ گیا۔ اس موقع پر انگریزوں نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ افواہ پھیلانے کی ترکیب نکالی تا کہ ہندو اور مسلمان ایک جانور کو لے کر آپس میں ہی لڑ جائیں۔ انگریزوں کے وفاداروں نے پوری کوشش کہ بقرعید پر گائے کی قربانی کا جھگڑا ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کھڑا کرکے دونوں کے درمیان دُشمنی پیدا کردی جائے۔ مجاہدین بھی کم چالاک نہیں تھے۔ بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے بقرعید پر گائے کی قربانی پر روک لگا دی۔ اُنھوں نے بخت خاں کے مشورے سے کوتوال کو حکم بھجوایا کہ یکم اگست 1857 بقرعید کے موقع پر جو شخص گائے ذبح کرے گا اُسے توپ سے اُڑا دیا جائے گا۔ بخت خان نے کوتوال کے نام 28 جولائی 1857 کو حکم بھیجا کہ گائے ذبح کرنے والے کو موت کی سزا کا اعلان کردیا جائے۔ کوتوال نے چاندنی چوک کے تھانے دار کو عام اعلان کے لیے ہدایت دی کہ کوئی مسلمان جو گائے، بیل یا بھینس کی قربانی کرے گا موت کی سزا پائے گا۔ انگریز اور اُن کے وفادار، بقرعید کے موقع سے فائدہ اٹھا کر شہر میں فرقہ وارانہ فساد کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُنھیں یقین تھا کہ اس موقع پر آپس میں لڑا کر انگریز دہلی فتح کرلیں گے۔ بہادر شاہ ظفر اور بخت خاں نے انگریزوں اور اُن کے وفاداروں کی یہ سازش بھانپ لی تھی۔ اس فیصلے سے انگریز اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس فیصلے سے قومی ایکتا اور مضبوط ہوگئی۔

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ تحریک آزادی میں عورتوں کے تاریخی کارناموں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بہت سی ایسی عورتیں ہیں جن کی بہادری نے ظالم انگریزوں کے دانت کھٹے کردیے تھے۔ 1857 کی پہلی جنگ آزادی میں اپنی بے مثال جنگی صلاحیتوں کو پیش کرنے کے باوجود وہ گمنام رہ گئیں۔ پہلی تحریک آزادی میں شامل ایسی ہی ایک خاتون تھیں سہسرام کی حاجی بیگم جو قومی ایکتا اور بہادری کی مثال تھیں۔ اُنھوں نے اپنے زور بازو اور ہمت سے دِکھا دیا کہ ہندوستانی عورت کے ہاتھ

میں صرف مہدی نہیں رچتی اور چوڑیاں ہی نہیں کھنکتیں بلکہ وقت آنے پر اپنے ہاتھوں سے تلوار کی جھنکار بھی دشمنوں کو سنا سکتی ہیں ۔ ایسی ہی بہادر، نڈر اور جری خاتون تھیں سہسرام کی ''حاجی بیگم''۔ وہ بنگش قبیلے کے سردار بودی خاں بنگش کے تیسرے بیٹے قدرت اللہ خاں کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی پیدائش 1781 میں سہسرام میں ہوئی تھی۔ حاجی بیگم صرف دلیر اور بہادر ہی نہیں تھیں بلکہ علم کی دولت سے مالا مال، سخی، فن سپہ گری میں ماہر اور ہندو مسلم ایکتا کی حامی خاتون تھیں۔ 52 مواضعات کی جاگیر اُن کے قبضے میں تھی۔ وہ برقعہ اوڑھ کر گھوڑے پر سوار ہوتیں اور جاگیر کی نگرانی کرتی تھیں۔ اُسی وقت آرہ جگدیش پور (بہار) کے زمیندار بابو کنور سنگھ نے بھی انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تھا اور انگریز فوجوں کو شکست دے کر آرہ جو شاہ آباد کا ہیڈ کوارٹر تھا، پر قبضہ کرلیا تھا۔ آرہ کا انتظام دو مسلمان آفیسروں کے سپرد کر کے انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے سہسرام پہنچے اور حاجی بیگم کے محل میں پناہ لی۔ ادھر انگریزوں کا جاسوسی ٹولہ اپنی خفیہ کارروائی میں مصروف تھا۔ غداروں نے انگریزوں سے مخبری کر دی۔ بیکر نامی ایک انگریز مجسٹریٹ کے ماتحتی میں سرایڈورڈ گیڈرو کا ایک رسالہ اور دو فوجی رجمنٹ سہسرام میں موجود تھا۔ انگریزوں کو جیسے ہی یہ خبر ملی کہ بابو کنور سنگھ اور اُن کے بھائی امر سنگھ حاجی بیگم کے مہمان ہیں، اُنھوں نے حاجی بیگم کے محل کا محاصرہ کرلیا۔ اُس وقت بھی حاجی بیگم نے ہمت نہیں ہاری، برقعہ اوڑھا ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور اپنے کارکنوں کو للکارتے ہوئے کہا: ''خبردار، کوئی پرندہ بھی محل میں داخل نہ ہونے پائے۔ بابو کنور سنگھ اور امر سنگھ ہمارے مہمان ہی نہیں ہم وطن بھی ہیں، اُن کی حفاظت ہماری ذمے داری ہے۔'' حاجی بیگم کی دلیری دیکھ کر محل کے تمام لوگ انگریزوں پر ٹوٹ پڑے اور اُنھیں مار بھگایا۔

ایک عورت سے ملی شکست کو انگریز بھولے نہیں تھے۔ کچھ ہی دنوں بعد انگریزوں نے گھات لگا کر حملہ کیا۔ اس بار بابو کنور سنگھ، امر سنگھ اور حاجی بیگم مشترکہ طور پر جنگ کے لیے باہر نکل پڑے۔ آدم پور علاقے میں گھمسان جنگ ہوئی، بہت سارے انگریز مارے گئے۔ حاجی بیگم گھوڑے پر سوار انگریز فوج کی صفوں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھتی رہیں جب فتح قریب دکھائی دے رہی تھی اُسی وقت نمک حراموں کی غداری نے حاجی بیگم کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ بابو کنور سنگھ کیمور پہاڑی سلسلے کی راہ سے مرزا پور کی طرف چلے گئے اور حاجی بیگم خرم آباد قصبے میں روپوش ہوگئیں۔ انگریزوں نے محل میں داخل ہو کر سارا سامان لوٹ لیا اور محل کو تباہ کر دیا۔

سہسرام کی یہ دلیر خاتون مجاہدہ آزادی حاجی بیگم یکم جنوری 1859 کو اس دُنیائے فانی سے رخصت ہوگئیں۔ حاجی بیگم کی تاریخی تلوار جس پر اُنھوں نے انگریزوں کی طاقت کو تولا تھا سہسرام میں پٹھان ٹولی محلّے کے ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کے پاس آج بھی محفوظ ہے۔ 10 نومبر 1972 کو انگریزی روزنامہ The Indian Nation پٹنہ میں شری آلوک مدوپ لکھتے ہیں: ''برٹش فوج سے مقابلہ آرائی کے سلسلے میں سہسرام کی حاجی بیگم کی بہادری کو آج کوئی نہیں جانتا لیکن بھارت کی تاریخ دوبارہ لکھی جائے تو یہ بہار کی جھانسی کی رانی کہلانے کی حقدار ہوں گی۔'' قومی ایکتا زندہ باد!!

■

Parwez Alam
D-321, Dawat Nagar
Abul Fazal Enclave Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025

آنند لہر

ہمارے دیش کی تہذیب

"ہمارے مندروں کی گھنٹیوں سے دِن نکلتا ہے
ہماری مسجدوں کے نور سے موسم بدلتا ہے
ہمارے ملک کے فوجی سبھی فوجوں سے بہتر ہیں
تبھی تو ہند کی سرحد پہ ان کا زور چلتا ہے
ہمارے ان پہاڑوں سے زمیں کی شان بڑھتی ہے
انھیں سے گنگا جمنا سرسوتی کا جل نکلتا ہے
ہمارے دیش کی تہذیب کا ثانی نہیں کوئی
چراغِ زندگی ہر شب ہمارے دم سے جلتا ہے
لہو سے اپنے سینچا ہم نے آزادی کے گلشن کو
اسی کے سائے میں ہر نوجواں کا ذہن پلتا ہے
یہاں گوروؤں کی بانی وہ عظیم الشان بانی ہے
جِسے سن کر یقیناً لہرؔ سب کا دل مچلتا ہے"

S.S. Anand Leher
H. No. 19, Bakhshi Nagar
Distt.: Jammun Tavi - 180001 (J&K)

ارشاد خان

قومی یکجہتی

ہندو کے ساتھ مسلم، شیر و شکر قریں ہے
عیسائی، پارسی کا دریا رواں یہیں ہے
سکھ بھائیوں کا مسکن بھارت ہی بالیقیں ہے
ہندوستاں سے بڑھ کر جنت نشاں نہیں ہے
صدیوں سے ہاتھ آئی یہ ہے ہماری قسمت
یکجہتی ملک کی ہے اک لازوال دولت

انگریز سے لڑائی، سب نے ہی تو لڑی تھی
مسلم کے ساتھ ہندو، اس کی ہی تو کڑی تھی
عیسائی، پارسی بھی یلغار کی جھڑی تھی
سکھوں کی قوم ہمراہ، ان سب کے ہی کھڑی تھی
آزادی ہم نے پائی جانے نہ دیں گے نعمت
یکجہتی ملک کی ہے، اک لازوال دولت

اس دیش میں مذاہب آبادی ہے سبھی کی
جنت نشاں وطن ہے، آزادی ہے سبھی کی
آپس میں کٹ مریں ہم، بربادی ہے سبھی کی
روئے امن کی دیوی، فریادی ہے سبھی کی
یکجہتی ہے خزانہ، جانو بھی قدر و قیمت
یکجہتی ملک کی ہے، اک لازوال دولت

کہتا ہے یہ ہمالہ، گنگا کا راج رکھنا
اور تاج کا ہے کہنا، ایکتا کا تاج رکھنا
کشمیر ہو یا کنیا، یکساں مزاج رکھنا
جمنا کے بول سن لو، بھارت کی لاج رکھنا
سب کو گلے لگاؤ، ارشادؔ نیک فطرت
یکجہتی ملک کی ہے اک لازوال دولت

Dr. Irshad Khan
203/204/C, Munna Hills, Sheetal Bhata,
Mumbra 421204, Dist-Thane, Maharashtra

■ یوسف صابر

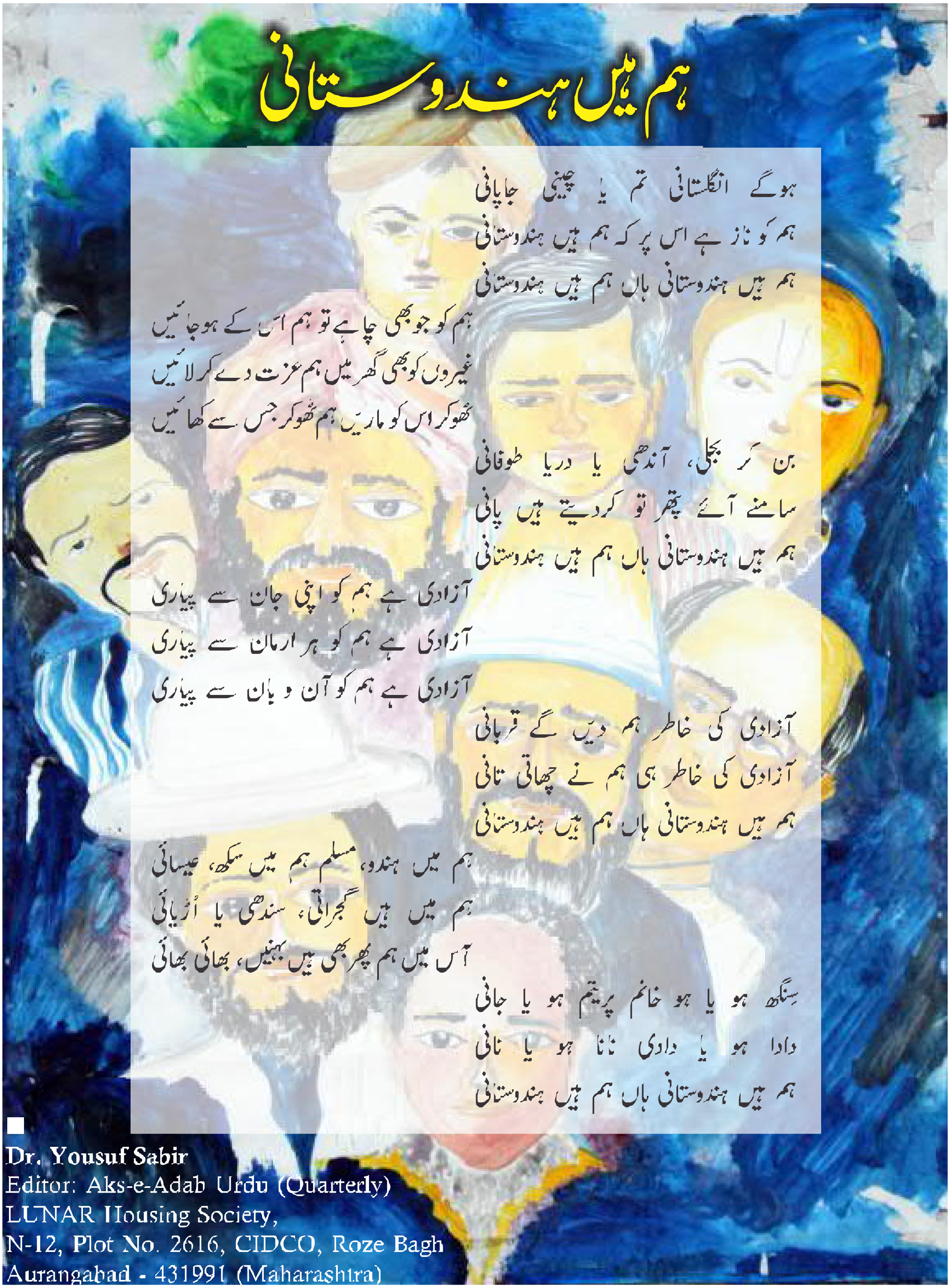

ہم ہیں ہندوستانی

ہو گے انگلستانی تم یا چینی جاپانی
ہم کو ناز ہے اس پر کہ ہم ہیں ہندوستانی
ہم ہیں ہندوستانی ہاں ہم ہیں ہندوستانی

ہم کو جو بھی چاہے تو ہم اس کے ہو جائیں
غیروں کو بھی گھر میں ہم عزت دے کر لائیں
ٹھوکر اس کو ماریں ہم ٹھوکر جس سے کھائیں

بن کر بجلی، آندھی یا دریا طوفانی
سامنے آئے پتھر تو کر دیتے ہیں پانی
ہم ہیں ہندوستانی ہاں ہم ہیں ہندوستانی

آزادی ہے ہم کو اپنی جان سے پیاری
آزادی ہے ہم کو ہر ارمان سے پیاری
آزادی ہے ہم کو آن و بان سے پیاری

آزادی کی خاطر ہم دیں گے قربانی
آزادی کی خاطر ہی ہم نے چھاتی تانی
ہم ہیں ہندوستانی ہاں ہم ہیں ہندوستانی

ہم میں ہندو، مسلم ہم میں سکھ، عیسائی
ہم میں ہیں گجراتی، سندھی یا اُڑیائی
آپس میں ہم پھر بھی ہیں بہنیں، بھائی بھائی

سنگھ ہو یا ہو خانم پریتم ہو یا جانی
دادا ہو یا دادی نانا ہو یا نانی
ہم ہیں ہندوستانی ہاں ہم ہیں ہندوستانی

■
Dr. Yousuf Sabir
Editor: Aks-e-Adab Urdu (Quarterly)
LUNAR Housing Society,
N-12, Plot No. 2616, CIDCO, Roze Bagh
Aurangabad - 431991 (Maharashtra)

سہیل عالم

قومی ایکتا

پیار کرنا سب کو یوں سکھلایئے
گیت قومی ایکتا کے گایئے

پیارا پیارا ہے ہمارا یہ وطن
گویا ہے خلد بریں اپنا چمن
کیجیے نفرت سے نہ میلا اپنا من
سب کو اُلفت کا سبق سمجھایئے
گیت قومی ایکتا کے گایئے

ایک دوجے کی برائی کب تلک
ہم لڑیں گے بھائی بھائی کب تلک
ہندو مسلم سکھ عیسائی کب تلک
آیئے انسان بن کر آیئے
گیت قومی ایکتا کے گایئے

یہ ترنگا ہند کی پہچان ہے
یہ ترنگا ایکتا کی شان ہے
اس کی عظمت پر یہ دل قربان ہے
یہ ترنگا شان سے لہرایئے
گیت قومی ایکتا کے گایئے

ہوگیا جو ہوگیا سب چھوڑیئے
سنگ ماضی سے نہ سر کو پھوڑیئے
آیئے اور دل کو دل سے جوڑیئے
بوئے الفت سے چمن مہکایئے
گیت قومی ایکتا کے گایئے

■
Sohail Aalam
Bhoi Line Kamptee (Maharashtra)

جاوید اختر عمری

آزادی کا گیت

آج یہ دن آزادی کا ویروں کی یاد دلاتا ہے
دیش پہ جو قربان ہوئے پرکھوں کی یاد دلاتا ہے
مر کے بھی جو امر بنے یہ گیت انھیں کے گاتا ہے

ہم سب ویر جوانوں کی مل جل کر یاد منائیں گے
آج اِسی پیغام کو ہم اک دوجے تک پہنچائیں گے

سونپ کے ہم کو پیارا گلشن جو خود تو جگ چھوڑ چلے
برسوں دیکھے سپنوں کی تعبیر ہمیں دی، اور چلے
بولے ''اس گلشن میں ہر سو سچائی کی جوت جلے''

اس نیارے گلشن میں ہم الفت کی جوت جلائیں گے
آج اسی پیغام کو ہم اِک دوجے تک پہنچائیں گے

گاندھی جی کے آدرشوں کی ایک نئی تفسیر ہے تو
مولانا آزاد کے دیکھے خوابوں کی تعبیر ہے تو
آزادی کے متوالوں کی اِک روشن تقدیر ہے تو

نگری اے ارمانوں کی تجھے جنت نشاں بنائیں گے
آج اسی پیغام کو ہم اک دوجے تک پہنچائیں گے

آؤ بچو! ہم سب مل کر یہ عہد و پیمان کریں
کام ہمارے ایسے ہوں جو دیش کی اونچی شان کریں
دیش کی خاطر ہم سب اپنے تن من دھن قربان کریں

جوش نیا ہے، نئی امنگیں، کچھ کر کے دکھلائیں گے
آج اسی پیغام کو ہم اِک دوجے تک پہنچائیں گے

Javed Akhtar Umari
Research Scholar,Dept of Arabi Farsi
Allahabad University, Allahabad (UP)

سید لطف اللہ گورکھپوری

آپ بڑے بھائی ہیں

پچھلے کچھ دنوں سے مکرم پور کی فضا میں گشت کرتی افواہ آج حقیقت کا روپ دھارتی نظر آرہی تھی اور جیسی کہ خبر تھی آج یہاں امام باڑے کی زمین پر پولیس چوکی کی بنیاد رکھی جانے والی تھی۔ ویسے تو چھوٹے موٹے جرائم یہاں ہوتے رہتے تھے اوران سے نمٹنا پولیس کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ مگر جب سے ایک مذہبی جلوس کا راستہ بدلے جانے کی وجہ سے دونوں فرقوں میں تصادم ہوگیا تھااور جب سے جب کب دونوں کے درمیان دنگے بھڑک اٹھتے تھے، پولیس کی نیند حرام ہوگئی تھی۔

نوجوان ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کا بہانہ ڈھونڈتے۔ ذرا ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر ایک دوسرے سے الجھ جاتے۔ پہلے تکرار ہوتی۔ پھر گالی گلوج اور ہاتھا پائی کی نوبت آتی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اینٹ اور پتھر چلنے لگتے۔ زد میں آنے والے گھائل ہوتے لد پھند کر ہسپتال جاتے۔ سائرن بجاتی اور کرفیو کا اعلان کرتی پولیس کی گاڑیاں آتیں۔

ان حالات میں مکرم پور میں ایک پولیس چوکی کا قیام بہت ضروری ہوگیا تھا۔ افسران پہلے ہی چکر لگا کر ناکام ہوچکے تھے۔ کہیں مناسب جگہ نہ ملی اور اگر کہیں ملی بھی تو دونوں فرقوں کے لوگوں نے متحد ہوکر اتنی مخالفت کی کہ پولیس کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بالآخر پولیس کو نگر نگم سے مدد لینی پڑتی۔ نگر نگم نے نئے پرانے ریکارڈ کھنگالے اور کئی دن کی ماتھا پچی کے بعد ایک ایسی زمین کا پتہ لگا لیا جس پر پولیس چوکی بنائی جاسکتی تھی۔ یہ زمین ایک بڑے گلیارے کے دوسری طرف ایک ایسے چبوترے کی شکل میں تھی، جو امام باڑہ کہلاتا تھا اور جس پر پچھلے آٹھ دس برسوں سے تعزیہ داری ہورہی تھی، مگر نگر نگم کا کہنا تھا کہ وہ سرکاری زمین ہے اور اُس پر کیا گیا قبضہ ناجائز ہے اس لیے اسے عوام کے وسیع تر مفاد میں چند شرطوں کے ساتھ محکمۂ پولیس کو ٹرانسفر کیا جاتا ہے۔

نگر نگم کے اس فیصلے کے ایک ہفتہ کے بعد خبر آئی کہ پولیس کی گاڑیاں پورے ساز و سامان کے ساتھ چل چکی ہیں اور آج امام باڑے کی زمین پر پولیس چوکی کی بنیاد رکھی جائے گی۔ جیسے ہی یہ خبر واجد علی کے کان میں پڑی وہ اپنے حامیوں کی ایک ٹکڑی لے کر پولیس کا راستہ روکنے کے لیے نکل پڑے۔ کچھ دور

چلنے کے بعد انھیں پولیس کی گاڑیاں آتی ہوئی دکھائی دیں جن کے پیچھے سیمنٹ، اینٹ، گٹی اور بالو سے لدی ہوئی گاڑیاں تھیں جن پر لیبر اور مستری پھاوڑا اور کدال لیے بیٹھے تھے۔ انھیں دیکھ کر واجد علی کے پیچھے چل رہی ان کے حامیوں کی ٹکڑی زور زور سے نعرے لگانے لگے کہ ''پولیس چوکی نہیں بنے گی۔ نہیں بنے گی۔'' واجد علی انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کر کے خود اگلی گاڑی کی سیدھ میں اس طرح چلنے لگے جیسے وہ اس سے ٹکرانا چاہتے ہیں اور پھر ہوا بھی یہی۔ اگلی گاڑی کے ڈرائیور کے فل بریک لگانے کے باوجود واجد علی گاڑی کے ساتھ اُچھل کر چاروں خانے چت گرے۔ ان کے حامیوں نے آگے بڑھ کر انھیں اٹھایا۔ ان کے کپڑے جھاڑے۔ انھیں پانی پلایا۔ وہ چست درست ہوگئے۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ اتنی خطرناک ٹکر کے باوجود انھیں کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ پیچھے سے آنے والی ساری گاڑیاں رک چکی تھیں۔ پولیس افسر اپنی گاڑی سے باہر نکلا اور اس نے واجد علی کی طرف ہاتھ اٹھا کر ان سے پوچھا ''آپ کون؟''

''مجھے واجد علی کہتے ہیں اور میں ایک سماجی کارکن ہوں۔''

''کس پارٹی سے ہیں؟''

''کسی پارٹی سے نہیں۔''

''آپ کا پیشہ؟''

''خدمت خلق۔''

''میرا مطلب ہے آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟''

''کھیتی لائق کچھ زمین ہے۔ اُسی سے گزر بسر ہو جاتا ہے۔''

''آپ میری گاڑی سے کیوں ٹکرائے؟ کیا اس لیے کہ میرے خلاف قتل کی کوشش کا مقدمہ قائم کیا جا سکے؟''

''نہیں سر! اس طرح کی بات تو کبھی میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ کی بھلا کسی سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ آپ تو اپنے فرض کی انجام دہی کے لیے نکلے ہیں اور ہر طرح سے قابل احترام ہیں۔''

''پھر؟''

''پھر یہ کہ آپ جس زمین پر پولیس چوکی بنانے جارہے ہیں، اس پر بنا چبوترہ امام باڑہ کہلاتا ہے اور اُس پر آٹھ دس سالوں سے تعزیہ داری ہورہی ہے۔ ہندو مسلمان دونوں اس کے تئیں عقیدت مندانہ جذبات رکھتے ہیں۔ اگر اسے توڑا گیا تو اس کا شدید ردعمل ہوگا۔ ماحول اتنا خراب ہو جائے گا کہ اُس پر قابو پانا پولیس کے لیے مشکل ہو جائے گا۔ اِس لیے میری التجا ہے کہ پولیس چوکی کے لیے کوئی اور مناسب جگہ دیکھ لی جائے۔''

''کیا امام باڑے کی ملکیت کے کاغذات ہیں آپ کے ہیں؟''

''نہیں سر! یہ زمین شیخ نذیر کی تھی، انھوں نے اِسے امام باڑے کے لیے وقف کر دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ اِسے وقف بورڈ میں رجسٹرڈ کرا لیا جائے، لیکن ایسا ہونے سے پہلے شیخ نذیر

کا انتقال ہوگیا۔"

"ملکیت کے کاغذات کہاں ہیں؟"

"شیخ نذیر کے انتقال کے بعد ان کے گھر میں چوری ہوگئی اور اس میں امام باڑے کی ملکیت کے کاغذات بھی چور لے گئے۔"

"کوئی ایف۔ آئی۔ آر۔ وغیرہ؟"

"نہیں چونکہ تعزیہ داری بے روک ٹوک ہورہی تھی اس لیے اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔"

"کیا سرکاری کام میں رکاوٹ پیدا کرنے کی سزا آپ جانتے ہیں؟"

"خوب جانتا ہوں سر! مگر پولیس چوکی کی وجہ سے مکرم پور کی فضا خراب ہو، کشیدگی پھیلے، خون خرابہ ہو۔ اس کے مقابل میں جیل جانے سے تو کیا میں پھانسی تک پر چڑھنے سے نہیں ڈرتا۔"

"بلبیر سنگھ!" پولیس افسر سب انسپکٹر کی طرف گھوما۔

"یس سر!" بلبیر سنگھ نے سر کو تھوڑا خم کیا۔

"اریسٹ ہم (اِسے گرفتار کرو)

"جی سر!" بلبیر سنگھ نے آگے بڑھ کر واجد علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور پلٹ کر ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑیوں کے رکنے کی وجہ سے راستہ جام ہوگیا تھا۔ گاڑیاں پیچھے گھوم نہیں سکتی تھیں اس لیے ہارن بجاتی ہوئی آگے کی طرف بڑھنے لگیں۔ آہستہ آہستہ راستہ صاف ہونے لگا۔ واجد علی کے خلاف مختلف دفعات کے تحت مقدمہ قائم ہوا اور وہ جیل بھیج دیے گئے۔

یہ مکرم نگر ہے۔ شہر کا ایک ایسا محلہ جہاں سرکاری ریکارڈ کے مطابق ہندوؤں اور مسلمانوں کی آبادی ایک دوسرے کے برابر برابر تھی۔ نہ کوئی اُنچاس اور نہ کوئی اکیاون فیصد۔ تعداد کی اس برابری نے دونوں کے درمیان ایک دوسرے سے آگے نکل جانے یا ایک دوسرے پر برتری قائم کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اس جذبے کے اظہار کے لیے دکانوں، مکانوں کی چھتوں پر اور بجلی کے پولوں پر ہری اور کیسریا جھنڈیاں لگائی جاتی تھیں۔ بجلی کا پول اس کی ملکیت مانا جاتا تھا جس کے مکان یا دکان سے وہ زیادہ قریب ہو۔ اُس پر کوئی دوسرا اپنی جھنڈی نہیں لگا سکتا تھا۔ جھنڈیاں لگانے کی یہ مہم دیوالی، دشہرہ، محرم اور بارہ وفات میں زیادہ تیز ہوجاتی تھی۔

محرم کے دن تھے۔ ہری جھنڈیاں لگانے کی مہم چل رہی تھی۔ امتیاز بھی ہری جھنڈیاں لیے نئی جگہوں کی تلاش میں نکلا تھا مگر کوئی نئی جگہ نہیں دکھائی دی۔ اِدھر اُدھر کا چکر لگانے کے بعد بڑی مشکل سے ایک ایسا پول دکھائی دیا جس پر کوئی جھنڈی نہیں لگی ہوئی تھی مگر یہ تو گھنشیام کی دکان کا پول تھا۔ اِس پر صاف کیسریا جھنڈی ہی لگ سکتی تھی۔ ہری جھنڈی لگانا مناسب نہیں تھا پھر بھی امتیاز اپنی ناکامی کی جھلاہٹ مٹانے کے لیے اُس پول پر چڑھ گیا اور اس پر ہری جھنڈی لگا کر اتر رہا تھا کہ گھنشیام نے اسے دیکھ لیا۔

"تم ہماری اجازت کے بغیر ہمارے پول پر کیوں چڑھے؟ تم نے ہری جھنڈی کیوں لگائی؟"

"غلطی ہوئی۔ معافی چاہتا ہوں۔ آپ بڑے بھائی ہیں۔ آپ کی خوشی میں ہی ہماری خوشی ہے۔ میں ابھی اپنی ہری جھنڈی اتار لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر امتیاز پھر پول پر چڑھ گیا اور گھنشیام اپنے گاہکوں میں مصروف ہوگیا۔

رات میں کھانا کھانے کے بعد جب گھنشیام بستر پر گیا تو اُسے امتیاز کی بات "آپ بڑے بھائی ہیں" یاد آئی اور دل میں تیر کی طرح پیوست ہوگئی۔ "ایک معمولی سی جھنڈی کے لیے جس کی کوئی حقیقت نہیں، میں نے ایک بھائی کا دل دکھایا۔ بڑا پاپ ہوا۔" یہ سوچ کر گھنشیام پھر بے چین ہوگیا اور کروٹیں بدلنے

لگا۔ یہاں تک کہ رات کے دو بج گئے اور جب اُسے کسی طرح چین نہ آیا تو وہ اپنے بستر سے اٹھا اور گھر کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ پورا محلّہ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ چاروں طرف نظر دوڑا کر اُس نے ایک دروازے پر لگی ہری جھنڈی نکال لی اور اُسے اپنے پول پر لگا کر نیچے اُتر آیا۔ ایک نیک کام کرنے کے احساس سے اس کی روح میں تازگی پیدا ہوگئی اور بستر پر جاتے ہی وہ نیند کی وادیوں میں گم ہوگیا۔

دوسرے دن جیسے جیسے دن چڑھا دکانیں کھلتی گئیں۔ بھیڑ بھاڑ بڑھتی گئی۔ گھنشیام کے پول پر لگی ہری جھنڈی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتی گئی۔ تین بجتے بجتے ویاپاری ایکتا سمیتی کے ادھیکش تین چار لڑکوں کو ساتھ لے کر آئے اور ذرا تلخ لہجے میں گھنشیام سے بولے ''تم نے کچھ دیکھا؟''

''کیا؟'' گھنشیام انجان بن گیا۔

''یہی کہ تمھاری دکان کے پول پر ہری جھنڈی کس نے لگائی؟''

''کہہ نہیں سکتا۔''

''تو تم اسے فوراً نکلوا کر اپنی جھنڈی لگوا دو۔''

''پھینکوا دوں گا، مگر یہ تو بتائیے کہ کیا ہرا رنگ ایشور کا بنایا ہوا نہیں ہے؟''

''ہے مگر بات سمجھا کرو۔ کیسریا رنگ ہماری پہچان ہے۔ ہماری بڑائی کا نشان ہے۔''

''بڑائی مانو سیوا سے ہوتی ہے۔ رنگ سے نہیں۔''

''میں تم سے بحث کرنے نہیں آیا۔ اگر تم نے یہ جھنڈی اپنے پول سے نہیں اتاری تو تمھیں اس کی بہت بڑی قیمت چکانی پڑے گی۔''

''وہ کیسے؟''

''تمھیں ہندو دھرم سے بہشکرت (خارج) کر دیا جائے گا۔''

''دھرم کسی کی جاگیر نہیں ہے جو کوئی مجھے اس سے باہر نکال دے گا۔

''دھرم کا آدھار آستھا ہے اور میں آستھا کے آدھار پر ہندو ہوں اور ہر جنم میں ہندو ہوتا رہوں گا۔ آدمی کے دھرم کی پہچان اس کے وچاروں سے ہوتی ہے۔ رنگ سے نہیں۔ پھر ہمارا دھرم تو سارے سنسار کو ایک کنبہ، ایک پریوار مانتا ہے اور ہم سب اسی پریوار کے سدسیہ (ممبر) ہیں۔ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

''تمھاری بدھی بھرشٹ ہوگئی ہے۔'' کہہ کر ادھیکش جی تن فن کرتے ہوئے لڑکوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گئے۔

اگلے دن تقریباً چار بجے امتیاز گھنشیام کی دکان کی طرف گیا۔ اس وقت وہ آرام کی حالت میں بیٹھا ایک ملازم کو گتّے میں سامان بھرتے دیکھ رہا تھا۔ امتیاز دکان کے اندر چلا گیا اور نمسکار کر کے قریب رکھے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

''کیسے آنا ہوا؟'' گھنشیام نے پوچھا۔

''بس آپ کی خیر خبر لینے۔''

''میں ٹھیک ہوں۔ ایشور کی کرپا ہے۔''

''میں آپ کے برتاؤ سے متاثر ہو کر آپ کا غلام بن گیا ہوں۔ میرے لائق کوئی سیوا ہو تو بتائیے۔''

''فی الحال تو کوئی نہیں۔'' گھنشیام نے کہا ''کچھ ٹھنڈا گرم چلے گا؟''

''نہیں، شکریہ! کھا پی کر آیا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، مگر آئندہ سے کھا پی کر نہ آنا'' گھنشیام کے ساتھ امتیاز نے بھی قہقہہ لگایا۔

''گھنشیام بابو! میں یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ آڑے ٹیڑے وقت میں اس خادم کو ضرور یاد کر لیجیے گا۔ ہمیشہ ثابت قدم

پایئے گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک باہری بیوپاری آ گیا۔ اس نے سامانوں کی ایک فہرست گھنشیام کے ہاتھوں میں پکڑاتے ہوئے کہا "یہ سارا سامان ایک پیٹی میں بندھوا دیجیے۔ مجھے ابھی گاڑی پکڑنی ہے۔"

"مگر اس میں سے دو تین آئیٹم اس وقت ہمارے یہاں نہیں ہیں۔" گھنشیام نے فہرست دیکھنے کے بعد کہا۔

"تو پھر رہنے دیجیے۔" بیوپاری واپس جانے کا ارادہ کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں سیٹھ جی! آپ یہاں آرام سے بیٹھ کر سامان پیک کرائیے۔ اس سے پہلے میں باقی آئیٹم لا کر آپ کی خدمت میں پیش کیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر امتیاز نے مطلوبہ آئیٹموں کے نام نوٹ کیے اور گھنشیام سے روپے لے کر تیزی سے باہر نکل گیا اور بیس منٹ کے اندر ایک بھرے ہوئے گتے کے ساتھ حاضر ہو گیا۔ بیوپاری بے حد خوش ہوا اور ہمیشہ یہیں سے سامان لے جانے کی یقین دہانی کراتے ہوئے گھنشیام سے بل بنوانے لگا۔ امتیاز گھنشیام سے اجازت لے کر دکان سے باہر نکل آیا۔

رفتہ رفتہ دونوں کی دوستی پروان چڑھتی گئی۔ ہر وقت اور ہر جگہ دونوں ایک ساتھ دکھائی دیتے۔ ایک ساتھ دکان پر آتے اور ایک ساتھ گھر جاتے۔ پھر ایک ہی تھالی میں کھانا کھانے لگے۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون مالک ہے اور کون نوکر۔ قدرت بھی مہربان ہو گئی۔ گھنشیام کی دکان پر بھیڑ بڑھتی چلی گئی۔ اُسے ایک کے بعد ایک تین نئے گودام لینے پڑے اور ملازموں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ کرنا پڑا۔ سارے دکاندار حیران و پریشان اُن دونوں کی دوستی دیکھ کر رشک میں مبتلا ہو گئے۔

پھر مکرم پور کے لوگوں نے ایک صبح ایک عجیب و غریب نظارہ دیکھا۔ دکانوں، مکانوں اور بجلی کے سارے پولوں پر کیسریا جھنڈیوں کی جگہ ہری جھنڈیاں اور ہری جھنڈیوں کی جگہ کیسریا جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ جیسے دو بھائی آپس میں گلے مل رہے ہوں۔ جھنڈیوں کا راتوں رات اس طرح بدلا جانا ان بزرگوں کی خفیہ منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا جو ہمیشہ سے ایک ساتھ مل جل کر رہتے آئے تھے اور جو کسی بھی قیمت پر مکرم پور کو ہندو مسلم ایکتا کی مثال بنانا چاہتے تھے۔ دوسری حیرت انگیز بات یہ ہوئی تھی کہ مکرم پور کے داخلی دروازے کو اس طرح سجایا گیا تھا جیسے اس سے پہلے وہ کبھی نہیں سجا تھا۔ محراب کی پیشانی کے نیچے ایک پتھر نصب کیا گیا تھا جسے ایک پردے سے ڈھک دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر ایک کے تجسس کا سبب بنا ہوا تھا۔ خوشی اور چہل پہل کے اس ماحول میں دو بجتے بجتے اتر کی طرف سے ایک شور بلند ہوا۔ لوگ ادھر متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ گاڑیوں کا ایک قافلہ ہے، جس کے درمیان ایک کھلی گاڑی پر کھڑے واجد علی ہاتھ ہلا ہلا کر مکرم نگر کے لوگوں کے تئیں اپنی نیک خواہشات کا اظہار کر رہے تھے اور پھر جیسے ہی ان کی گاڑی پرویش دوار کے سامنے پہنچی اُس پر پڑا پردہ ہٹا دیا گیا جس پر سنہری حروف میں لکھا ہوا تھا "واجد علی مارگ" یہ دیکھ کر وہاں موجود سارے لوگ خوشی سے ناچنے اور گانے لگے، کیونکہ امام باڑہ بچانے کے لیے ایک سال کی جیل کاٹ کر واجد علی آج رِہا ہوئے تھے۔ پھر اس کے بعد سے مکرم پور میں نہ کبھی فساد ہوا اور نہ ہی پولیس چوکی بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

■

Syed Lutfullah
Sangi Masjid, Shaikhpur
Gorakhpur - 273005 (UP)

اصحابِ کہف

نصرت شمسی

ہزاروں سال پہلے روم میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام قیصر ڈیسیس تھا۔اس کے یہاں بتوں کی پوجا کی جاتی تھی اور پوری سلطنت کو اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا۔ پوجا کے لیے ایک مندر تھا۔جس میں ڈائنا نام کا ایک مجسمہ تھا۔ جو نہایت خوبصورت تھا اور لوگ اس کی پوجا کرتے تھے۔بادشاہ قیصر ڈیسیس عیسیٰ کے پیروؤں پر ظلم وستم کے لیے مشہور تھا۔ جب اسے پتہ چلتا کہ کوئی شخص حضرت عیسیٰ کی تعلیمات پر عمل کر رہا ہے تو وہ اپنے لوگوں سے ان پر ظلم کراتا اور انھیں ڈائنا کی پوجا کرنے پر مجبور کرتا۔

اسی سلطنت میں سات نوجوان ہوئے جو حضرت عیسیٰ کی تعلیم پر ایمان لے آئے اور اپنے ملک کی روایتی پوجا کو چھوڑ کر خدا کے احکامات ماننے لگے۔اس بات کی خبر جب قیصر ڈیسیس کو لگی تو انھوں نے ان ساتوں نوجوانوں کی تلاش شروع کروا دی اور انھیں اپنے سامنے پیش کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ان نوجوانوں تک جب یہ خبر پہنچی تو وہ بہت گھبرا گئے اور پھر ایک رات چپکے سے بھاگ نکلے۔ بھاگتے بھاگتے ان کے پیچھے ایک کتا لگ گیا۔ کتے کو اپنے پیچھے بھاگتے دیکھ کر انھیں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ کتا ان کا پیچھا کر رہا ہے۔انھوں نے کئی بار کتے کو بھگانے کی کوشش کی مگر کتا برابر ان کے پیچھے آتا رہا۔ کچھ دیر بعد انھیں اندازہ ہو گیا کہ وہ کتا ان کا ساتھ دینے کے لیے آ رہا ہے۔

بھاگتے بھاگتے وہ نوجوان اپنی بستی سے بہت دور نکل آئے اور جس بستی میں پہنچے اس کا نام 'کہف' تھا۔ انھیں برابر اپنی جان کا خطرہ تھا اس لیے انھیں ایک محفوظ پناہ گاہ کی تلاش تھی اور تلاش کرتے کرتے وہ ایک اندھیرے غار کے اندر پہنچ گئے۔ غار اندر سے بہت کشادہ اور وسیع تھا۔ وہ سب تھکے ہوئے تھے جیسے ہی انھیں تحفظ کا احساس ہوا اب سب پر تھکن غالب آ گئی اور وہ غار میں سو گئے۔ان کا کتا پاؤں پھیلائے غار کے دہانے پر پہرا دینے لگا۔ غار کچھ ایسی جگہ بنا ہوا تھا کہ اس تک سورج کی روشنی نہیں پہنچتی تھی اس لیے وہ بے فکر ہو کر سو گئے۔

ایک طویل وقت کے بعد ان میں سے ایک لڑکے کی آنکھ کھلی اور اس نے اپنے باقی سب ساتھیوں کو بھی جگایا۔ جاگنے کے بعد انھوں نے آپس میں باتیں کیں کہ وہ کتنا وقت سوئے ہوں گے، مگر کوئی بھی صحیح وقت کا اندازہ نہ کر سکا۔ انھیں بھوک بھی لگنے لگی تھی۔ تب ان میں سے ایک نوجوان جس کا نام 'یملیخا' تھا وہ چاندی کا سکہ لے کر کھانے کی تلاش میں باہر گیا۔ مگر جب وہ بستی میں پہنچا تو اسے احساس ہوا کہ باہر سب کچھ بہت بدلا بدلا ہے اور لوگ بھی اسے حیران نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا ایک نان بائی (روٹی بنانے والا) کے پاس گیا اور اسے سکہ دے کر روٹی

خریدنے کی بات کی۔ سکہ دیکھ کر نان بائی حیران رہ گیا۔ اس نے بہت حیرانی سے اس شخص کو دیکھا جس کا لباس اور سکہ دونوں اس وقت سے بالکل میل نہیں کھا رہے تھے۔ اس نو جوان کو عجیب وغریب تراش خراش کے لباس میں دیکھ کر آس پاس کے لوگ بھی وہاں جمع ہو گئے اور سب اس شخص سے پوچھنے لگے کہ وہ سکہ اس کے پاس کہاں سے آیا؟

یلمیخا نے حیرانی سے سب کو دیکھا اور پورا واقعہ سنایا اور بتایا کہ اس کے باقی ساتھی ابھی بھی غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ سکہ 300 سال پرانا ہے اور یہ قصہ وہ لوگ اپنے بزرگوں سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات پر عمل پیرا سات نوجوان بادشاہ ڈیسیس کے ڈر سے اچانک بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور پھر ان کا کچھ پتہ نہ چلا۔

یلمیخا اتنی لمبی مدت ان لوگوں کے منھ سے سن کر حیران رہ گیا۔ لوگوں نے اسے یقین دلایا کہ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اب سب جگہ حضرت عیسیٰ کی تعلیم کو ماننے والے ہی لوگ ہیں۔

وہ سب لوگ یلمیخا کے ساتھ اس غار تک آئے جہاں باقی چھ نوجوان اپنے ساتھی کا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے جب یلمیخا کو اتنے ڈھیر سارے لوگوں کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا تو ڈر گئے۔ انھیں لگا کہ یہ سب قیصر ڈیسیس کے آدمی ہیں جو انھیں پکڑنے آئے ہیں مگر جب یلمیخا نے قریب آکر انھیں سب کچھ بتایا اور بتایا کہ وہ اس غار میں تقریباً 300 سال تک سوتے رہے ہیں تو وہ بس بھونچکا رہ گئے۔ انھوں نے غور سے اپنے ناخونوں، بالوں اور لباس کو دیکھا جس سے اتنا وقت گزرنے کا ذرا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اتنی طویل مدت تک سوئے ہیں۔ وہ خدا کے اس کرشمہ پر بہت حیران تھے اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس غار میں چلے گئے۔

جمع ہوئے لوگ انھیں باہر لاکر ان سے بات چیت کرنا چاہتے تھے اور ان کی پوجا کرنا چاہتے تھے مگر جب بہت انتظار کے بعد بھی وہ لوگ باہر نہیں آئے تب لوگوں نے غار کے اندر جا کر انھیں دیکھا تو دیکھا کہ وہ ساتوں نوجوان پھر سے سوئے ہوئے تھے۔ لوگوں نے جب انھیں جگانے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ اللہ نے ان کی روحیں قبض کرلیں اور انھیں ہمیشہ کے لیے سلا دیا۔

پیارے بچو! کتنی دلچسپ اور حیران کر دینے والی کہانی ہے کہ کوئی 300 سال تک یوں سوتا رہے کہ اس پر وقت کا ذرا بھی اثر نہ ہو۔ اس کہانی کے لاطینی اور یونانی زبانوں میں ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ جس بادشاہ کے زمانے میں اصحابِ کہف جاگے تھے اس کا نام 'تندوسس' تھا۔ انگریزی کے ایک مصنف 'گبن' نے اس کہانی کو اپنی زبان میں (Seven Sleepers) کے نام سے بھی لکھا ہے۔ ان نوجوانوں کو سب 'اصحابِ کہف' (غار والے لوگ) کے نام سے جانتے ہیں اور قرآن مجید میں یہ واقعہ 'سورۃ کہف' کے نام سے موجود ہے۔ ■

Nusrat Shamsi
Anjuman Street, Rampur - 244901 (UP)

بچھو کا ناچ: موت میں زندگی

■ شمیم احمد صدیقی

ارے جناب! آپ نے تو کمال کر دیا۔ مجھ حقیر کیڑے کا نام ہی پڑھ کر آپ نے منہ پھیر لیا تو پھر میں آپ کو کس طرح یہ بتاؤں گا کہ بعض انسانوں نے یہ افواہ پھیلا کر کہ لوگوں کو ڈنک مارنا اور ان کو ستانا میری فطرت ہے، مجھے خواہ مخواہ بدنام کیا ہے اور میرے اچھے کام پر جھاڑو پھیر دی ہے اور نہ ہی میں یہ بتا پاؤں گا کہ موت کے رقص کا کیا مطلب ہے اور اس کا زندگی سے کیا تعلق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے مجھے آپ کی بدگمانی دور کرنا چاہیے تاکہ آپ میری دیگر باتوں کو دھیان سے سنیں۔

یہ تو حقیقت ہے کہ خالق کائنات نے میرے جسم میں ایک خنجر نما لمبی دم بنائی ہے جس کے آخر میں ہک کی شکل میں ایک نوکیلا ڈنک ہوتا ہے اور وہ زہر سے بھری ایک تھیلی سے جڑا ہوتا ہے۔ جب میں اس دم کو اوپر کی طرف گھما کر اپنا ڈنک مارتا ہوں یا یوں سمجھیے کہ کسی کو کاٹتا ہوں تو انجکشن کی طرح میرا زہر اس کے جسم میں داخل ہوجاتا ہے جس کی بنا پر شدید درد اور تکلیف اور نیل پڑنے کے علاوہ جی متلانے لگتا ہے اور گلے کی نسوں میں بڑا کھنچاؤ پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر فوری طور پر علاج نہ ہو تو موت بھی واقع ہوسکتی ہے لیکن مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ بعض بھولے بھالے انسانوں نے میرے بارے میں بلا تحقیق یہ غلط بات مشہور کر رکھی ہے کہ ڈنک مارنا میری فطرت یا عادت میں داخل ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں بھی دیگر کیڑے مکوڑوں کی طرح انسان کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہوں۔ جن سائنس دانوں نے میری عادات و اطوار پر ریسرچ کی ہے وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں نے آج تک کسی مردہ انسان کو نہیں کاٹا اور میں کسی سوتے ہوئے انسان کو بھی نہیں کاٹتا۔ ہاں اگر کسی سوئے ہوئے آدمی کے قریب سے گزرتے وقت اس نے اس طرح کروٹ لی کہ میں اس کے نیچے دب گیا یا ننگے پیر چلنے والے کسی آدمی کا پیر میرے اوپر پڑ گیا تو تو مجبوراً اپنے بچاؤ کے لیے مجھے اپنا زہریلا ڈنک استعمال کرنا پڑتا ہے ورنہ میں یا تو اس وقت ڈنک مارتا ہوں جب کوئی شرارت کرتا ہے اور مجھے چھیڑتا ہے یا پھر کسی بڑے کیڑے مکوڑے، چھپکلی، چوہیا وغیرہ کو اپنے قابو میں کر کے اُس کو اپنی غذا بنانے کے لیے میں اپنے

قدرتی ہتھیار کو استعمال کرتا ہوں۔ آپ کو یہ بھی بتادوں کہ ایک مرتبہ کسی کو ڈنک مارنے اور زہر کو اس کے جسم میں داخل کردینے کے بعد ایک ماہ تک میں کسی دوسرے جاندار پر اپنا زہریلا ہتھیار استعمال نہیں کرسکتا کیونکہ زہر کو دوبارہ بننے میں ایک ماہ کا وقفہ لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے مجھے ایسا جسم دیا ہے کہ ایک بار کھائی گئی غذا مہینوں کے لیے کافی ہوتی ہے اور مجھے شکار کرنے کے لیے اپنے ڈنک کو دوبارہ استعمال کرنے کی ضرورت لمبے عرصے کے بعد ہی پڑتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب آپ کی یہ غلط فہمی دور ہوگئی ہوگی کہ ڈنک مارنا میری فطرت میں شامل ہے۔

ہماری برادری کی پانچ سو سے زائد قسمیں ہوتی ہیں جن کی لمبائی 2 سینٹی میٹر سے 15 سینٹی میٹر تک ہوتی ہے۔ کچھ کا رنگ بھورا، کچھ کا پیلا اور ہرا، کچھ کا سیلٹی اور کچھ کا مکمل کالا ہوتا ہے۔ آپ کو یہ جان کر بھی ضرور تعجب ہوگا کہ چھوٹی سائز والے بچھو بڑی سائز کے بچھو سے زیاد زہریلے ہوتے ہیں

ہم ہندوستان کے علاوہ دنیا کے بیشتر ممالک میں پائے جاتے ہیں اور ہماری برادری کی پانچ سو سے زائد قسمیں ہوتی ہیں جن کی لمبائی 2 سینٹی میٹر سے 15 سینٹی میٹر تک ہوتی ہے۔ کچھ کا رنگ بھورا، کچھ کا پیلا اور ہرا، کچھ کا سیلیٹی اور کچھ کا مکمل کالا ہوتا ہے۔ آپ کو یہ جان کر بھی ضرور تعجب ہوگا کہ چھوٹی سائز والے بچھو بڑی سائز کے بچھو سے زیادہ زہریلے ہوتے ہیں اور افریقہ میں ایک ایسا زہریلا بچھو ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی کو ڈنک مار دے تو اس کا گوشت گل کر گر جاتا ہے۔ ہمارے سر پر چھ سے دس تک آنکھیں ہوتی ہیں پھر بھی ہماری بینائی یعنی دیکھنے کی صلاحیت زیادہ اچھی نہیں ہوتی۔ بچھوؤں کی تمام قسموں میں آٹھ ٹانگیں ہوتی ہیں جن میں اگلی دو ٹانگیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں اور اُن کے سرے نوکیلے ہوتے ہیں جو کیڑے مکوڑے پکڑنے اور ان کو چیرنے پھاڑنے کا کام کرتے ہیں۔ چھوٹے شکار کو قابو میں کرنے کے لیے یہی اگلی دو ٹانگیں کافی ہوتی ہیں البتہ بڑے شکار کو قابو میں کرنے کے لیے پہلے زہریلا انجکشن یعنی ڈنک استعمال کرنا پڑتا ہے۔ شکار کو آسانی سے کھانے کے لیے قدرت نے یہ انتظام کیا ہے کہ اگلی ٹانگوں کے سروں سے ایسا کیمیاوی مادّہ (Enzyme) بھی خارج ہوتا ہے جو کیڑے مکوڑوں کے اندرونی جسم کو گلا کر پتلا کر دیتا ہے

اور پھر ہم اس کو رقیق غذا (Liquid Food) کی طرح چوس لیتے ہیں، (خول کو چھوڑ دیتے ہیں)۔ بچھو خود کی حفاظت کے لیے رات کے وقت ہی شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں۔

بچھوؤں کی زیادہ تر قسموں کو نمی کے ماحول میں رہنا پسند ہے۔ اسی لیے ہم عام طور پر پتھر، اینٹ، لکڑی کے لٹھے یا درختوں کے پتوں کے ڈھیر کے نیچے اور کھنڈر بڑی عمارتوں کے نمی والے حصوں میں رہتے ہیں۔ لہٰذا جب کبھی آپ کو اس طرح کی گری پڑی چیزوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا ہو یا کسی کھنڈر کی پرانی اینٹوں کو نکالنا ہو تو احتیاط سے کام لیجیے گا۔ عین ممکن ہے کہ ہمارا کوئی بھائی بند وہاں چھپ بیٹھا ہو اور وہ یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ اُس کو چھیڑ رہے ہیں، آپ کو ڈنک مار دے۔ اگر خدا نہ

خواستہ کبھی آپ کے کسی دوست وغیرہ کو بچھو ڈنک مار دے تو فوراً ڈنک مارنے والی جگہ کے قریب کس کر کپڑے کی پٹی باندھ دیں تاکہ زہر آلودہ خون دل میں جانے سے رک جائے اور ایک پوٹلی میں برف رکھ کر ڈنک لگی جگہ کی سکائی کریں۔ پھر جلد از جلد کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

قدرت نے ہماری نسل بڑھانے کا طریقہ بھی عجیب و غریب بنایا ہے۔ نر بچھو اپنی مادہ یا بچھن کی اگلی ٹانگوں کو اپنی اگلی ٹانگوں سے پکڑ کر ناچتا ہے۔ اس ناچ کے دوران دونوں کی دم بھی آپس میں ملی رہتی ہے لیکن اس پیار بھرے ڈانس کا خاتمہ افسوسناک ہوتا ہے۔ جب نر بچھو ناچتے ناچتے تھک کر اپنی مادہ سے الگ ہوتا ہے تو مادہ ناراض ہوکر اس کو بری طرح مارتی ہے جس کی وجہ سے اکثر نر بچھو کی موت ہوجاتی ہے۔ بس یوں سمجھیے کہ بچھو اپنے عشق میں ایسا سچا ہوتا ہے کہ اپنی جان تک گنوا بیٹھتا ہے۔ اسی لیے نر اور مادہ کے اس آپسی ناچ کو 'موت کا رقص' (Dance of death) کہا گیا ہے۔

مادہ بچھو کے جسم میں پیدا ہوئے انڈے کچھ وقت کے بعد بچوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ انڈوں سے بچے بننے کا وقفہ اور ان کی تعداد بچھو کی قسم اور اس کی سائز کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے کیونکہ ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد ہفتہ دس دن تک تمام بچے ماں کی پیٹھ پر سوار رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قدرت کے قانون کے لحاظ سے اسی قدر بچے پیدا ہوں گے جتنے ماں کی پیٹھ پر سما سکیں۔ بچوں کے اپنے جسم میں اتنا غذائی مادہ ہوتا ہے کہ ہفتہ دس دن تک ان کو کسی دوسری غذا کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بعد میں وہ ماں کی پیٹھ سے اتر کر خود شکار کرنے کے لائق ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی قدرت کی کارگری ہے کہ بچوں کی ولادت یعنی پیٹ سے باہر آنے کے کچھ وقفے بعد ہی پیٹ ٹھیک ہوجاتا ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ ولادت کے عمل میں ماں کی موت واقع ہو۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یونانی طریقہ علاج یعنی جڑی بوٹیوں وغیرہ کی مدد سے بیماریوں کا علاج کرنے والے طریقے میں حکیم صاحبان نے بچھوؤں کو شامل کرکے دو دوائیں تیار کی ہیں۔ گردے اور مثانہ کی بیماریوں کے لیے 'معجونِ عقرب' نام کی دوا جس میں چند جڑی بوٹیوں کا سفوف یعنی پاؤڈر اور جلے ہوئے

بچھو کو عربی زبان میں 'عَقرب' یعنی ھك کی شکل کا اور فارسی زبان میں کَژدُم یعنی ٹیڑھی دم والا کھتے ھیں۔ اس کے علاوہ ھومیوپیتھی طریقۂ علاج میں بھی بچھو سے اسکارپیان (Scorpion) نام کی دوا تیار کی جاتی ھے جو بچھو کے کاٹنے پر پیدا ھونے والی تکالیف کے دور کرنے میں دی جاتی ھے۔

بچھو کی راکھ کو شکر کے گاڑھے قوام یا شہد میں ملاتے ہیں۔
دوسرے 'روغنِ عقرب' نام کا تیل جس کو تیار کرنے کے لیے چند جڑی بوٹیوں اور بچھوؤں کو کڑوے بادام کے تیل میں ڈبو کر خاصے وقت کے لیے دھوپ میں رکھتے ہیں اور بعد میں چھان کر بواسیر نام کی بیماری میں استعمال کراتے ہیں۔ بچھو کو عربی زبان میں 'عَقرَب' یعنی ہک کی شکل کا اور فارسی زبان میں 'کژدُم' یعنی ٹیڑھی دم والا کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہومیوپیتھی طریقۂ علاج میں بھی بچھو سے اسکارپیان (Scorpion) نام کی دوا تیار کی جاتی ہے جو بچھو کے کاٹنے پر پیدا ہونے والی تکالیف کے دور کرنے میں دی جاتی ہے۔

حضور! آپ ایمانداری سے بتائیں کہ آپ کے گھر کے کیڑے مکوڑے کھا کر آپ کے گھر کو صاف ستھرا رکھنے والا اور اپنی جان قربان کر کے آپ کو بیماریوں سے نجات دلانے والا وہ کیڑا جو صرف اپنی حفاظت کی غرض سے لاپرواہ انسانوں کو ڈنک مارتا ہو آپ کی نفرت کا مستحق ہے یا آپ کی قدردانی کا۔

اب رخصت ہونے سے پہلے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ ان لوگوں کی باتوں پر قطعی دھیان نہ دیں جنھوں نے یہ کہہ کر مجھے بدنام کیا ہے کہ خوامخواہ لوگوں کو ڈنک مار کر تکلیف پہنچانا میری فطرت ہے بلکہ ان لوگوں کی بات پر توجہ دیں جنھوں نے میرے کردار اور اعمال پر واقعی تحقیق کی ہے۔ ایسے ہی سمجھدار لوگوں میں اورنگ آباد کے بزرگ شاعر سید شاہ حسین نہری صاحب بھی ہیں جنھوں نے میری تعریف میں میری ہی زبان میں بڑی عمدہ نظم کہی ہے۔ آپ بھی سن لیجیے:

بچھو ہوں میں، ہیں کژدم و عقرب بھی مرے نام
کرتے ہیں مگر حضرت انساں مجھے بدنام
کہتے ہیں کہ بس کاٹنا فطرت میں ہے میری
دُم میں ہے مری ڈنک لگی زہر کی تھیلی
چھیڑے جو کوئی مجھ کو تو مجبو رہوں میں بھی
تو مار دوں میں ڈنک، ضرورت ہے یہ میری
جینا ہے عجب میرا مشیت کی نشانی
ہے رقص مرا اصل میں مرنے کی کہانی
کھاتا ہوں میں چھوٹے بڑے سب کیڑے مکوڑے
کرتا ہوں صفائی کا بڑا کام میں ایسے
کام آؤں دواؤں کے بنانے میں بھی ہر دم
لیتے ہیں مری جان تو کام آئے مرا سم
بچھو کی سنو بات میاں شاہ یہ عالی
اللہ کی مخلوق نہیں خیر سے خالی

■

Dr. Shamim Ahmad Siddiqui
C-2, Naseem Manzil, Madah Ganj
Police Chouki, Seetapur Road, Lucknow - 226020

راشد جمال فاروقی

عظیم سائنس داں: ہرگووند کھورانا

بچو! ہمارے ملک بھارت نے ایک سے بڑھ کر ایک عظیم سپوتوں کو جنم دیا ہے۔ دنیا کو روحانی سکون اور روشنی دکھانے والے بابرکت بزرگوں کے علاوہ علم وادب اور سائنس وریاضی کے میدان میں بھی جھنڈے گاڑنے والوں کی ہمارے یہاں کبھی کمی نہیں رہی۔

آیئے آپ کو ایک ایسے ہی عظیم ہندوستانی سپوت سے متعارف کرائیں جس کی انتھک محنت، مطالعہ کی لگن اور مسلسل آگے بڑھتے جانے کی ضد نے اس وقت بھی ہار نہیں مانی جب اس کے سر سے بچپن میں ہی والد کا سایہ اٹھ گیا اور مالی دشواریوں نے جینا دوبھر کر دیا۔ اس کی جدوجہد کہانیوں میں پائے جانے والے کرداروں جیسی ہے لیکن وہ خود کہانی کا کردار نہیں۔ ہمارا جیتا جاگتا آدرش ہے جس کی سادگی، محنت اور مستقل مزاجی نے اس پر اعزاز واکرام اور دولت وشہرت کی بارشیں کیں اور آخر کار وہ دنیا کے سب سے بڑے ایوارڈ 'نوبل پرائز' کا حقدار قرار پایا۔

اس عظیم سائنس داں کا نام ہرگووند کھورانا ہے۔ وہ 2 جنوری 1922 کو پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں رام پور میں پیدا ہوئے۔ اب یہ گاؤں پاکستان میں ہے۔ ان کے والد کا نام گن پت رائے پٹواری تھا۔ اپنے پانچ بہن بھائیوں میں ہرگووند سب سے چھوٹے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول میں ہوئی۔ وہ بچپن سے ہی پڑھاکو تھے۔ بس کبھی کبھار کبڈی کھیل لیا کرتے تھے۔ ورنہ ہر وقت کتابوں میں ڈوبے رہتے۔ اپنی جماعت کا کورس وہ چند ماہ میں ہی پورا کر ڈالتے تھے۔ مطالعہ کی اس غیر معمولی عادت کا

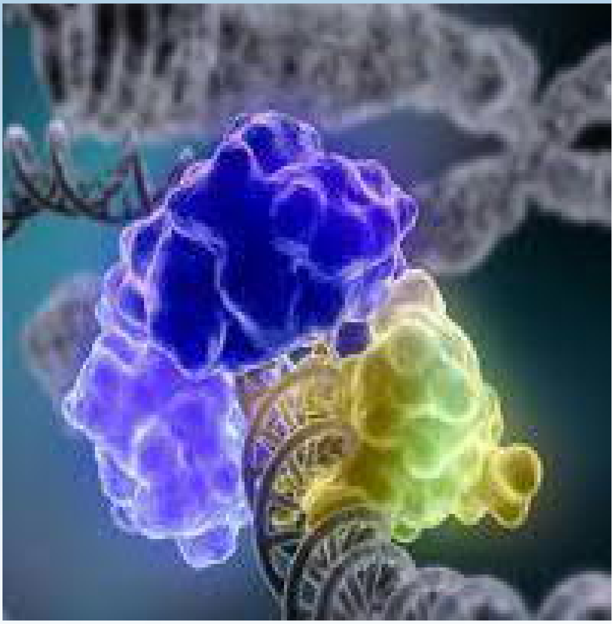

انھیں یہ فائدہ ہوا کہ تیسری جماعت میں ہی وظیفہ ملنے لگا۔ مڈل یعنی آٹھویں جماعت کے بورڈ امتحان میں ہرگوند پورے ضلع میں اول آئے۔

جب ہرگووند صرف 12 برس کے تھے تو ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ لہٰذا ان کے دو بڑے بھائیوں کو نوکری کرنے کے لیے شہر جانا پڑا۔ اب ہرگووند کی پڑھائی کا ذمہ ان کی والدہ پر تھا۔ ہرگووند کی ماتاجی اپنے بیٹے کی لگن کو دیکھ کر کبھی کبھی تو اداس بھی ہوجاتی تھیں۔ وہ گرم گرم کھانے کی تھالی ہرگووند کے آگے رکھتیں اور ان سے کھانے کا اصرار کرتیں لیکن ہرگووند کو تو صرف کتابوں میں سکون ملتا تھا۔ کھانا ٹھنڈا ہوجاتا تو ماں کا دل رکھنے کے لیے وہ خوشی خوشی کھا لیتے۔

مڈل کا امتحان پاس کرکے ہرگووند نے ملتان کے ڈی اے وی ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ یہاں ان کے اساتذہ اس غیرمعمولی شاگرد کو پاکر بہت خوش تھے۔ پھر ہرگووند نے ڈی اے وی کالج لاہور میں داخلہ لیا اور فرسٹ ڈویژن سے بی ایس سی پاس کی اور لاہور کے ہی گورنمنٹ کالج سے ایم ایس سی بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کی یہ بات 1945 کی ہے۔

1939 میں ان کے بڑے بھائی نندلال فوج میں بھرتی ہوچکے تھے اور اپنے چھوٹے بھائی کی تعلیم کے لیے پوری تنخواہ گھر بھیج دیتے تھے۔ 1943 میں سنگاپور پلٹن کے ساتھ انھیں جاپانیوں نے جنگی قیدی بنالیا۔ جاپانیوں سے رہائی کے بعد نندلال نیتاجی سبھاش چندر بوس کی 'آزاد ہند فوج' میں سیکنڈ لیفٹیننٹ بن گئے۔ 1945 میں بھارت کی گوری سرکار نے انھیں پکڑ کر ملتان جیل میں ڈال دیا۔ یہ سنگین حالات ہرگووند کی تعلیم جاری رکھنے میں رکاوٹ بن سکتے تھے لیکن انھیں علم کا چسکا لگ چکا تھا۔ ان کا جنون سرخ رو ہوا اور 1946 میں سرکاری وظیفے پر ہرگووند پی ایچ ڈی کرنے انگلینڈ چلے گئے اور لیور پول یونیورسٹی انگلینڈ میں پی ایچ ڈی شروع کردی۔ اسی دوران انھیں اپنے بڑے بھائی کی رہائی کا علم ہوا تو اپنے بے روزگار بھائی کی مدد کے لیے اپنے وظیفے میں سے کچھ رقم بچا کر وہ بھیجنے لگے۔ نندلال جب تک کماتے رہے پوری تنخواہ ماں کو بھیجتے رہے تاکہ ہرگووند کی پڑھائی جاری رہ سکے۔ اب بھی نندلال ہرگووند کے بھیجے ہوئے پیسوں میں سے کچھ نہ کچھ بچا لیا کرتے تھے۔

جب ملک تقسیم ہوا تو ہرگووند کا خاندان دہلی آگیا۔ اگلے سال ہرگووند کی پی ایچ ڈی مکمل ہوگئی اور وہ بھی دہلی آگئے۔ مدتوں ہرگووند بے روزگار رہے تو پھر ملک سے باہر جانے کی بات سوچنے لگے۔ لیکن باہر جانے کے لیے ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ نندلال نے ہرگووند کے بھیجے ہوئے پیسوں میں سے

بچائی ہوئی رقم ان کے ہاتھ پر رکھ دی اور مسئلہ حل ہو گیا۔ ہر گووند پھر انگلینڈ چلے گئے اور نوبل انعام یافتہ سائنس داں ڈاکٹر الگزینڈر ٹاڈ کے ساتھ مل کر کیمبرج میں کام کرنے لگے۔ 1952 میں وہ کناڈا چلے گئے۔ وہاں ایک ممبر پارلیمنٹ کی بیٹی ایستھر ایلزابیتھ سے ان کی شادی ہو گئی۔ ایلزابیتھ بھی سائنس داں تھیں۔

1958 سے ہر گووند کی غیر معمولی سائنسی صلاحیتوں کا اعتراف شروع ہو گیا۔ انھیں آرگینک کیمسٹری پر اعلی تحقیق کے لیے کناڈا کی کیمکل انسٹی ٹیوٹ نے اپنے گراں قدر اعزاز سے نوازا۔ 1960 میں انھیں طلائی تمغہ عطا کیا گیا۔ 1968 میں میڈیسن اور زولوجی میں ان کی بیش بہا خدمات کو پہچان کر ڈاکٹر رابرٹ ڈبلیو ہولے کے ساتھ 70,000 ڈالر کا نوبیل انعام دیا گیا۔ ہر گووند نے جو تحقیق کی تھی اس کی مدد سے کسی بھی زندہ ہستی سے اسی طرح کی متعدد زندہ ہستیاں تیار کی جاسکتی ہیں۔ اس انقلابی کھوج نے کئی موروثی بیماریوں کی روک تھام میں بھی مدد کی۔ اب پوری دنیا میں ہر گووند کھورانا کی جے جے کار ہونے لگی۔ ڈاکٹر نیرین برگ کے ساتھ انھیں 25000 ڈالر کا ایک انعام اور دیا گیا۔ پھر تو انعامات کا یہ سلسلہ چلتا ہی چلا گیا۔

ہر گووند کھورانہ امریکہ کے شہری تھے جہاں وہ اپنی بیوی ایستھر ایلزابیتھ اور تین بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کی دو بیٹیاں جولیا اور ایمیلیا ہیں اور ایک بیٹا دیورائے کھورانا ہے۔

ہر گووند کھورانہ کی موت 9 نومبر 2011 کو ہوئی۔

■

Rashid Jamal Farooqui
C-1452, IDPL Township, Virbhadra (Rishikesh)
Dehradun - 249202 (Uttarakhand)

جوابات

مترجم: انیس الدین ملک

ایک یہودی سائنس داں کو ملک بدر کیا گیا

پچھلی کہانی میں پہلی جنگ کے دوران ایک یہودی کیمیاداں کا برطانیہ اور اس کے حامیوں کے لیے کام کرنے کے صلہ میں انعام حاصل کرنے کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ایک بہت ہی ممتاز کیمیاداں نے جرمن کی لڑائی کی تیاریوں میں مدد کی تھی۔ لیکن اسے یہ صلہ ملا کہ اسے ملک بدر کر دیا گیا۔ یہ کہانی گرچہ جنگ کے متعلق ہے لیکن زراعت کے پُر امن پیشے سے شروع ہوتی ہے۔

ایک اُگتا ہوا درخت زمین سے بہت سی اشیاء لے لیتا ہے اور ان کی کمی زمین پر قدرتی اور مصنوعی کھاد ڈال کر پوری کی جاتی ہے۔ ان میں سے بہت سی کھادوں کے بنانے میں ہر سال ایک رقیق کی بہت زیادہ مقدار میں ضرورت پڑتی ہے ۔اس رقیق کا نام نائٹریک ایسڈ ہے۔

اس صدی کے اوائل تک نائٹریک ایسڈ کی بیشتر مقدار ایک سفید چیز سے بنائی جاتی ہے جسے سالٹ پیٹر کہتے ہیں۔ یہ خاص طور سے چلی اور جنوبی امریکہ کے علاقوں میں پایا جاتا ہے لیکن 1898 میں برطانوی کیمیاداں سر ولیم کروکس نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اگر اس نمک کی اس طرح بھاری مقدار خرچ کی جاتی رہی تو جلد ہی قدرتی ذخیرہ بہت کم ہو جائے گا، اس نے یہ مشورہ دیا کہ کیمیاداں کو تیزاب بنانے کا اور دوسرا طریقہ دریافت کرنا چاہیے۔

یہ تیزاب بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا کسانوں کے لیے کھاد بنانے کے علاوہ دھماکہ خیز اشیا بنانے میں بھی

استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی ملک میں اس کے بنانے کی بہت سی فیکٹریاں ہیں تو جنگ چھڑنے پر یہ جلد ہی Explosives بنانے میں استعمال ہوسکتی ہیں۔ ان فیکٹریوں کے دوہرے استعمال کے امکان نے اس بات کو واضح کر دیا کہ نائٹرک ایسڈ بنانے کے طریقے جلد ہی تلاش کیے جائیں۔

یورپ کے بیشتر ممالک کی فیکٹریاں جنوبی امریکہ سے بڑی مقدار میں اس شے کو درآمد کرتی تھیں جو جنگ کے زمانے میں جلد ہی بند ہوسکتی تھیں کیونکہ دشمن ان کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کر کے ان کے جہازوں پر سمندر میں حملہ کریں گے اور اس طرح سے ان کی سپلائی کی ایک بڑی حد تک کٹوتی کر دیں گے۔

1914 میں جیسے ہی جنگ چھڑی تو اتحادیوں کی بحری فوجوں نے جرمنی کی ناکہ بندی کر دی اور اس کی جنوبی امریکہ سے شورے کی درآمد تقریباً ختم ہوگئی۔ جرمنی کو جلد ہی Expolsives کی پریشان کن حد تک کمی محسوس ہونے لگتی اگر اس کے انٹورپ میں ایک جہاز قبضے میں نہ آجاتا اور اس کے کیمیا داں کام نہیں کرتے۔

یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک جہاز جس پر ہزاروں ٹن سالٹ پیٹر لدا ہوا تھا بیلجیم کی اس بندرگاہ پر جنگ کے اعلان سے کچھ عرصے پیشتر لنگر انداز ہوا۔ جنگ کے شروع ہونے کے چند ہی دن کے عرصے میں جرمنوں نے بیلجیم کو روند ڈالا اور انٹرپ پہنچنے پر جہاز کو پوری طرح لدا ہوا پایا۔ چند نامعلوم اسباب کی بنا پر وہاں کے حکام نے نہ تو جہاز کو سمندر میں بھیجا نہ اسے ڈبویا۔ نہ سامان کو سمندر میں پھینکا۔ بلکہ جنگ کے لیے اس اہم شے کی کثیر مقدار سے لدے ہوئے جہاز کو بندرگاہ پر چھوڑ دیا۔ یہ ایک مشہور کیمیا داں کا اندازہ ہے کہ اگر اس جہاز سے یہ سپلائی نہیں ملتی تو جرمن کے سالٹ پیٹر کے ذخائر 1915 کے موسم بہار تک ختم ہوگئے ہوتے۔

جنگ سے چند سال قبل ہی جرمنی اور دوسرے ممالک کے کیمیا داں کھاد بنانے کے ایسے طریقوں کی تلاش میں لگے ہوئے تھے جن میں ہوا میں موجود آزاد اور بے حساب نائٹروجن کا استعمال ہو۔ 1914 تک تین طریقے ایجاد ہو چکے تھے۔ جن میں سے ایک ہی کا اس کہانی میں ذکر کیا جائے گا۔ یہ طریقہ فرٹز ہیبر (Fritz Haber) نے دریافت کیا جو جرمن شہریت کے یہودی والدین کا بیٹا تھا۔

ہیبر نے پانی اور ہوا کو کام میں لاکر کھاد بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس میں باہر سے کسی شے کی ضرورت نہیں تھی۔ 1914 میں وہ اصل میں کھاد بنا رہا تھا اور فیکٹری کو نائٹرک ایسڈ کی تیاری کے لیے بھی جلد ہی استعمال میں لایا جاسکتا تھا۔ مشورے سے تیار کیے ہوئے طریقے کے مقابلتاً اس طرح سے بنے تیزاب کی مقدار بہت کم تھی۔

جنگ کے چھڑنے پر جرمن لیڈروں کو لڑائی میں ہیبر کے اس طریقے کو زبردست اہمیت کا اندازہ ہوا اور جلد ہی بہت سی نئی فیکٹریاں قائم کی گئیں۔ پس 1915 کی گرمی کے زمانے میں جرمنی نائٹرک ایسڈ کی بڑی مقدار تیار کر رہا تھا اور جلد ہی شورے کی سپلائی کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو بری کر رہا تھا۔

ہیبر نے اپنے مادرِ وطن کی بہت بڑی خدمت کی اور اس کے ملک کے لیڈروں نے اسے ملک کے بہترین اور اعلیٰ سائنسدانوں میں شمار کیا۔

جنگ کے شروع میں لڑائی نے ایک غیر متوقع موڑ لیا۔ جنگ سے پہلے دونوں فریقوں کے جنگی لیڈروں کو امید تھی کہ اگلی جنگ پیادہ اور سوار فوج کی ملک کے وسیع علاقوں میں ایک

حکمت کے تحت حرکت پر منحصر ہوگی۔ لیکن جنگ کے شروع ہونے کے چند ہی ہفتوں کے بعد یہ خندقی لڑائی میں تبدیل ہوگئی۔ جس کے لیے جنگی طریقے اور ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ برطانیہ نے ٹینک ایجاد کرلیا اور جرمنوں نے زہریلی گیس کا استعمال کیا۔

برلن میں وزارت جنگ کا اس گیس کو استعمال کرنے کے سلسلے میں تحقیقات کرنے کا فیصلہ شاید سپاہی کیمیادانوں کے خطوں کا اثر تھا جو اس کے استعمال کے زبردست حامی تھے۔ وزارت نے برلن یونیورسٹی کے پروفیسر نرسٹ سے مشورہ کیا اور وہ اس کی تحقیقات کے لیے رضامند ہوگئے۔ 1914 کے آخر میں پروفیسر ہیبر کو اس کام کا ساجھا ملا اور جلد ہی انھوں نے اس کام کی پوری ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔

جنگ میں استعمال کرنے کے لیے بہت ساری زہریلی گیس مہیا کی۔...... موزوں گیس کے لیے بہت سی خصوصیات لازم ہیں۔ مثال کے طور پر اسے اتنی زہریلی ہونی چاہئے کہ یہ ایک سپاہی کو ماردے یا اس کو کام کے لائق نہ رکھے۔ اگر یہ دونوں کاموں میں سے کچھ بھی نہ کرسکے تو کم ازکم عارضی طور پر اس کے لیے نقصان دہ ہوتا کہ اس کے دشمن اس گیس کے ذریعے اپنے آپ کو محفوظ کرکے سپاہیوں سے مقابلہ کرسکیں۔ اسے ہوا سے اتنا زیادہ بھاری ہونا چاہئے کہ اسے چھوڑنے پر یہ فوراً ہی زمین کی سطح سے چھ فٹ سے زیادہ اوپر نہ رہے ورنہ اس کا آدمی پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ گیس کا وزنی ہونا خندقی لڑائی میں ایک اہم خصوصیت کا حامل ہے کیونکہ ایک بھاری گیس جو زمین کی سطح پر چل رہی ہو، خندق میں جاکر وہی کام کرے گی جیسا زمین سے نکلے ہوئے پانی کی دھارے۔

اس گیس میں نہ تو رنگ ہونا چاہیے، نہ بو۔ تاکہ اس کی موجودگی کا اس وقت تک پتہ نہ چل سکے جب تک یہ اپنا قاتلانہ عمل مکمل نہ کرلے۔ یہ خصوصیت قابلِ ترجیح ہوگی کہ یہ نہ بارش میں گھلے نہ گرمی کے موسم میں Decompose ہو۔ اس کے علاوہ یہ ان اشیاء سے تیار ہو جو ناکہ بندی والے ملک میں مہیا ہوں اور یہ کسی طریقے سے بڑی مقدار میں بن سکے اور اسے آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجا جاسکے۔

ہیبر اور اس کے معاونین کے تجربات نے ان کو اس نتیجے پر پہنچایا کہ کلورین گیس کے استعمال کی سفارش کی جاسکتی ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ وہی پہلا شخص تھا جس نے اس گیس کے استعمال کا مشورہ دیا۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے اس کے استعمال کی موافقت کی اور اس نے کبھی بھی حتیٰ کے جنگ کے بعد بھی اس گیس کے تعارف کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو بری نہیں ٹھہرایا۔

کلورین گیس کو کھانے کے نمک سے بناتے ہیں جس کی جرمنی میں کثیر مقدار موجود ہے۔ اسے سلینڈروں میں بھر کر آسانی سے ٹرانسپورٹ کیا جاسکتا ہے۔ یہ گیس ہوا سے دو یا تین گنا زیادہ بھاری ہوتی ہے۔ اس لیے یہ گولوں سے پیدا شدہ سوراخوں، خندقوں اور گڑھوں میں sink ہوسکتی ہے۔ یہ اتنی مہلک ہوتی ہے کہ اس کی تھوڑی سی مقدار ایک آدمی کو مارنے کے لیے کافی ہوگی یا کم ازکم ان کو ایک عرصہ دراز تک کے لیے بےکار کردے گی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ہرے رنگ کی ہوتی ہے اور تیز بو رکھتی ہے جس کی وجہ سے یہ بہ آسانی پہچانی جاسکتی ہے۔

ہیبر نے پہلے یہ مشورہ دیا کہ گیس کو Shelt Holes میں بھر کر رکھا جائے لیکن اس وقت مہیا تمام Sheltcases دھماکہ خیز اشیاء کے لیے درکار تھے۔ اس لیے اس نے دوسرا سجھاؤ یہ

دیا کہ گیس کو سلنڈروں سے اس وقت خارج کرنا چاہیے جب ہوا کا رخ اتحادیوں کی خندقوں کی جانب ہو۔

1915 میں ہیبر صرف ایک Civilian تھا اور جرمن فوج میں اس کی کوئی بڑی حیثیت نہیں تھی۔ حالانکہ دوسرے تندرست جرمنوں کی طرح اس کو بھی کافی خدمت ایک خاص وقفے کے لیے کرنی پڑتی تھی اور اس کو Reserve کی حیثیت سے سارجنٹ کے Non Commissioned کا عہدہ ملا ہوا تھا۔ یہ واقعہ جنگ سے بیس سال قبل کا ہے کیونکہ 1914 سے قبل ایک یہودی کو جرمن فوج میں Commission ملنے کا شاذونادر ہی واقعہ ملتا تھا۔ پس ہیبر کو جو جرمن جنرلوں کی نظر میں صرف ایک Civilian تھا اور وہ بھی یہودی اونچی ذات کے امارت پسند جرمن جنرل اسٹاف سے زیادہ توجہ کی امید نہیں تھی۔

اعلیٰ کمان نے کافی ہچکچاہٹ کے بعد یہ بات ناخوش دلی کے ساتھ منظور کی کہ محاذ جنگ پر گیس کی آزمائش کی جائے اور Salient نامی جگہ اس کے لیے منتخب کی۔ اس سے پہلے حملے کے Direction اور Planning کا پورا انتظام ہیبر پر ہی چھوڑ دیا گیا اس کے باوجود کہ ہیبر کے تجربات مٹری کے سلسلے میں ناکافی تھے۔

تقریباً 170 ٹن کلورین کو 5,700 سلینڈروں میں دباؤ کے ساتھ بھرا گیا۔ سلینڈروں کو محاذ جنگ پر لے جایا گیا اور ساڑھے تین میل کے خطے میں کھود کر دبا دیا گیا۔ جن لوگوں کو گیس نکالنے کے لیے معمور کیا گیا تھا، انھیں نقاب کے ذریعے محفوظ کر دیا گیا۔ 1915 کے اوائل میں گیس چھوڑنے کے لیے ساری تیاریاں مکمل تھیں، صرف اس کا انتظار تھا کہ ہوا موافق ہو۔

گیس کو 22 اپریل 1915 کو ایک مقام پر چھوڑ آگیا جہاں برطانوی لائن فرنچ لائن سے ملتی تھی۔ فرنچ لائن میں الجیریا سے بھرتی کیے گئے رنگدار فوجی تھے۔ گیس خندقوں میں پہنچی اور وہاں نیچے ڈوب گئی۔ وہاں سے خوف وہراس کی چیخیں سننے میں آئیں۔ پہلے آدمیوں کی آنکھوں، ناک اور گلے میں جلن محسوس ہونے لگی اس کے بعد وہ کھانسنے لگے اور پھر خون اگلنے لگے۔ کھلبلی سی مچ گئی اور جو لوگ خندقیں چھوڑ کر بھاگ سکتے تھے، پیچھے کی طرف بھاگے۔

جرمنوں نے کامیابی کے ساتھ حملہ کیا اور دن بھر میں کافی علاقے پر قابض ہوگئے۔ لیکن وہ ساڑھے سات بجے شام میں رک گئے اور آرام کی غرض سے زمین کے اندر چھپ گئے۔ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ آگے 5 میل پر اتحادیوں کی فرنٹ ہے تو اس خالی جگہ پر جرمن کے ہزاروں سپاہی رات کے دوران پیش قدمی کر کے قبضہ کر لیتے۔

رات کے ٹھہراؤ نے برطانوی فوجوں کو اس بات کا موقع دیا کہ وہ اس خالی جگہ کو پُر کر کے اگلے دن جرمنوں کی پیش قدمی روک دیں۔ لیکن یہ اتحادیوں کے لیے بہت ہی آفت و پریشانی کا وقت تھا۔ پانچ ہزار سپاہی مارے گئے۔ پندرہ ہزار گیس کا شکار ہوئے۔ اس کے علاوہ 57 بندوقیں اور 50 مشین گنیں دشمنوں کے ہاتھ لگیں۔

برطانوی قوم میں خوف وغصہ کی لہر دوڑ گئی لیکن نکتہ چینی کا خاص مرکز اس ملک کی حکومت تھی جس نے اس طرح کے مہلک ہتھیار سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر نہیں کی۔ حالانکہ کئی تنبیہیں اس طرح کی ملیں جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ جرمن ایک نئے طریقے سے جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام وارننگ پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا۔

یہ اتحادیوں کی خوش نصیبی تھی کہ جرمن اعلیٰ کمان میں جس کی سرکردگی جنرل وان فالکین ہین کر رہے تھے، دوربینی اور

سمجھداری کی کمی تھی جس کی وجہ سے اس نئے جنگی ہتھیار کی صحیح قدر و قیمت نہیں سمجھ سکے اور اسے صرف ایک تجربے کی طرح دیکھا کامیابی کی حالت میں اس کے کافی reserves موجود نہیں تھے کہ ان کو پھر استعمال کیا جاسکے۔ نئے ہتھیار کے استعمال کے لیے کوئی نئی تدبیر نہیں سوچی گئی اور کسی بھی حالت میں کوئی نئی Tactical Instructions جاری نہیں کیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ جرمن کمانڈر اس حربے کے سلسلے میں زیادہ پرجوش نہیں تھے کیونکہ اس کی کامیابی کا دار و مدار موافق ہوا پر تھا اور یہ Flanders میں بہت غیر یقینی تھی۔ فوجیوں کو عرصہ دراز تک ایک پوزیشن میں رکھنا پڑتا جب تک کہ موافق لمحہ نہ آجائے۔

اس کہانی کے کئی دلچسپ پہلو ہیں۔ یہ ایک نئے جنگی ہتھیار کو پہلی بار بڑے پیمانے پر استعمال کرنے کے متعلق ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل کے سپاہی نئے ہتھیار کے استعمال کے سلسلہ میں احتجاج کرنے میں اتنا ہی منہ پھٹ اور جوشیلے تھے جتنا پرانے Knights اُس وقت تھے جب بارود پہلی بار استعمال ہوا یا اسی معاملے میں لوگوں کا رویہ 1945 میں ایٹم بم کے استعمال پر تھا۔

اس کہانی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جرمن ملٹری منصوبہ کاروں نے اپریل 1915 کی رات والے واقعے سے جب پہلی بار گیس چھوڑی گئی تھی، کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ آگے اسے کام میں لایا۔ لہٰذا وہ نئے کیمیاوی طریقہ جنگ میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ کاش کہ انھیں یہ احساس ہو جاتا کہ ان کے پاس ایک ایسا حیرت انگیز ہتھیار ہے جو ان برطانوی ٹینکوں کے مقابلے کا ہے جو جنگ میں حصہ لینے کے لیے تیار تھے۔ یہ بات قابلِ تحریر ہے کہ جرمنی اور اتحادی فوجوں کے سربراہ دونوں سائنٹفک ہتھیار کے اولین استعمال سے پیدا شدہ تجبات کی اہمیت سے ناواقف تھے۔

جرمنوں کی صرف یہی ایک غلطی تھی کہ وہ Cloud gas Warface کے استعمال سے خود اپنا گلا کاٹ رہے تھے کیونکہ زہریلی گیس کا استعمال ان کے لیے ہمیشہ فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ فلینڈر میں بیشتر اوقات ہوا اتحادی خندقوں سے جرمن لائن کی طرف چلتی تھی۔ اس طرح کی ہوائیں جرمن کے لیے نہیں بلکہ اتحادیوں کے لیے Cloud in Gas کے استعمال میں فائدہ مند ہوتیں۔

یقین نہ آنے والا اس کہانی کا ایک اور پہلو پروفیسر ہیبر کا ملٹری حلقے میں عروج ہے۔ اس کی ترقی جلد ہی ایک نئے بنائے گئے عہدے وزارتِ دفاع کے کیمیاوی سیکشن کے افسر اعلیٰ پر ہوگئی۔ وہ براہِ راست حکم وزیر دفاع اور فیلڈ مارشل ہینڈن برگ اور لیڈن ڈروف سے لیتا تھا۔ (باب 22) بہت ہی کم لوگ یہاں تک کہ خالص جرمن نسل کے لوگ بھی ایک Junior non - commissioned officer سے ایک اعلیٰ ملٹری عہدے پر ترقی نہیں کر سکے جیسا اس نے ترقی کی۔

جنگ کے بعد اتحادی ممالک کے لوگوں نے ہیبر کا نام لعنت ملامت کے ساتھ لیا اور اس کو انسانوں کے خلاف ناقابلِ معافی جرم کرنے کا مرتکب ٹھہرایا۔

پروفیسر ہیبر کا عبرتناک انجام ہوا۔ 1918 کی شکست کے بعد تمام جرمنوں کے لیے کئی سال بہت دشوار گزرے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ پروفیسر ہیبر نے نوجوان سائنسدانوں کو ایک ساتھ اکٹھا کیا اور چند سال بعد وہ ایک بڑی تجربہ گاہ کا انچارج بن گیا جہاں سائنسدان ریسرچ میں مشغول رہتے تھے۔ 1930 تک اس نے سائنس میں اور بہت ساری عمدہ دریافتوں کی بنا پر ہمہ گیر شہرت حاصل کرلی۔ جنگ اور امن کے دوران اپنے مادرِ وطن کے لیے کیے گئے اس کے کام نے اس کو شہرت بخشی اور اس کے ملک کے لوگوں نے اسے عزت اور انعام سے نوازا۔

1930 کے اوائل میں جرمنی میں ہٹلر کی سرکردگی میں نازی برسرِ اقتدار آگئے۔ ہٹلر کا نصب العین ایک متحدہ قوم کی تشکیل تھا۔ اس کے ارشادات کے مطابق جرمن ایک اعلیٰ نسل ہے۔ اس نے نسلی جذبات کو کئی طریقوں سے بھڑکایا۔ ان طریقوں میں سے ایک ان سب کے خلاف نفرت پیدا کرنا تھا جو اصلی جرمن یا ارین نسل سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ یہودیوں کو خاص طور سے اس نسلی نفرت انگیزی کا شکار بنایا گیا۔ ان کے ساتھ ہرممکن طریقوں سے بدسلوکی اور ایذارسانی کی گئی اور 1934 تک بہت سارے لوگوں کو ملک سے بھاگنا پڑا۔ بہت سے مالدار یہودی جو رہ گئے ان کو قید کر، ان کی جائداد تباہ کردی گئیں یا ضبط کرلی گئی۔

1930 کے شروع میں پہلے تو ہیبر نے اس بدسلوکی کے خلاف احتجاج کیا لیکن اس سے پہلے ہی یہ اعلیٰ جرمن کیمیاداں، جرمن سپاہی اور وطن پرور صرف 'یہودی ہیبر' رہ گیا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ نازی جرمنی ملک کے لیے اس کی سابقہ خدمات کے احسان مند نہیں تھے۔ وہ ایک خانماں بن گیا جو جرمنی میں رہنے کا اہل نہیں تھا، اور دیگر یہودیوں کی طرح اس نے باہر پناہ ڈھونڈ لی۔ بیمار ہونے کی وجہ سے وہ سوئزرلینڈ میں ایک سینی ٹوریم میں بھرتی ہوگیا۔ اس کے بعد انگلستان نے اس کو اپنے یہاں رہنے کی پیشکش کی اور اسے کیمبرج یونیورسٹی کی کیمیاوی تجربہ گاہ کی مہمان نوازی سے لطف اٹھانے کا موقع ملا۔ لیکن گذشتہ سالوں کی پریشانیوں نے اس پر بہت برا اثر ڈالا اور وہ جنوری 1934 کو بیسل میں دل کی حرکت بند ہونے سے انتقال کر گیا۔

ماخذ: (سائنس کی کہانیاں)
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کوثر منیر

عمان ایک خوش حال ملک

سلطنت آف عمان ایک چھوٹا سا عربی ملک ہے۔ مسقط اس کا دارالحکومت ہے۔ یہاں کی سرکاری زبان عربی ہے۔ اس ملک میں آج بھی بادشاہت قائم ہے۔ پٹرول کے دریافت ہونے سے پہلے یہ ایک غریب اور خستہ حال ملک تھا۔ لیکن پٹرول دریافت ہونے کے بعد اس ملک میں سدھار آیا اور یہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوا۔ یہاں کی زیادہ تر آبادی دیہاتوں میں اور ریگستانوں میں رہتی ہے۔ ریگستان میں رہنے والے یہ لوگ بدو کہلاتے ہیں۔ بھیڑ، بکری، اونٹ ان کا سرمایہ ہوتا ہے۔ یہ بدو لوگ اپنے اس ریوڑ کو لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ ریگستان میں اپنے بھیڑ بکریوں کو لے کر ببول کے پیڑ کے نیچے پڑاؤ ڈالتے ہیں اور وہیں اپنے کنبے کے ساتھ کھلے آسمان کے نیچے رہتے ہیں۔ ہمیں بہت تعجب ہوتا ہے کہ اتنی گرمی میں ریگستان میں کھلے آسمان کے نیچے کیسے رہتے ہیں۔ ہمیں بہت تعجب ہوتا ہے کہ اتنی گرمی میں ریگستان میں کھلے آسمان کے نیچے اپنے ننھے منے بچوں کے ساتھ کیسے زندگی گزارتے ہیں۔ جہاں ہم جیسے لوگ دس منٹ بھی نہیں رک سکتے۔ یہاں گرمی اتنی شدت کی ہوتی ہے کہ ایسا لگتا جیسے ہم ریت پر نہیں جلتے ہوئے انگارے پر کھڑے ہیں۔ لیکن یہ بدو لوگ بڑے ہی مخلص اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ یہ اپنے مہمانوں کا استقبال کچھ کھجور اور میوہ سے کرتے ہیں۔ ویسے بھی عربوں کی مہمان نوازی بڑی مشہور ہے۔ کھجور اور مچھلیاں لوگوں کی اہم غذا ہے۔ مرد ایک لمبا سا جبہ پہنتے ہیں اور عورتیں رنگین کرتا قمیص پہنتی ہیں۔ مردوں کے سروں پر لمبا سا رومال بندھا رہتا ہے۔ یہ لوگ دیہاتی عربی بولتے ہیں۔

جب 1650 میں گلف سے پرتگیزوں کا قبضہ ختم ہوا تو اٹھارہویں صدی میں Busaid Dynasty کی بنیاد ڈالی گئی جو آج تک سلطان قابوس بن سعید تک چلی آرہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضورؐ کے دور میں جو قابوس بن سعید کے جو بھی آبا واجداد یہاں حکمراں تھے۔ خط کے ذریعے انھیں حضورؐ نے ایمان کی دعوت دی تھی اور پیشین گوئی بھی کی تھی کہ سلطنت آف عمان پر تمھاری ہی حکومت قیامت تک چلتی رہے گی۔ سلطان قابوس بن سعید نے عمان کی حکومت کی باگ ڈور

1970 میں سنبھالی، اور اس تاریخ سے آج تک عمان اُن کی نگرانی میں ہے یہ ایک زمانہ میں پچھڑا ہوا اور خستہ حال ملک تھا۔ اب ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور برابر ترقی کرتا جارہا ہے۔ اس کی ترقی قابل رشک ہے۔

سلطنت آف عمان ایک نظر میں

1) سلطنت آف عمان کا کل رقبہ 300,000
2) کل آبادی 2 ملین
3) دارالحکومت: مسقط
4) عمان کے حال کے حکمراں سلطان قابوس بن سعید
5) دفتری سرکاری زبان: عربی
6) کرنسی: عمانی ریال (OR)
7) وقت: MGT 4TC+4
(8) محکمۂ پولس: رائل عمان پولس (ROP)

سلطنت عمان کے کچھ مشہور قصبہ اور شہر

1) مسقط	2) مطرح
3) روئی	4) فنجا
5) نکھل	6) ال حم
7) سوہار	8) ال اوابی
9) ال کمل	10) سور
11) سمل	12) اے سیف
13) ابری	14) بریمی
15) صلالہ	16) تکا
17) مبیٹ	18) کھاسب
19) تاوی	20) ال ہرف
21) کمزر	22) مدھا

کچھ مشہور فورٹ (قلعوں) کے نام جو پرتگیز دور میں بنائے گئے

1) نیزواہ فورٹ Nizwa's Fort
2) سوہار فورٹ Sohar Fort
3) بکھو فورٹ Bukho Fort
4) سینا فورٹ ریس Sina Fortress
5) بلاد فورٹ Bilad Fort
6) نزواہ فورٹ Nizwa Fort
7) جلالی Jalali
8) میرانی Mirani
9) مطرح فورٹ Matrah Fort

ان قلعوں کا انتظام یہاں کی پولس اور فوج کرتی ہے۔ یہاں عوام کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔

عمان کا خوبصورت International ایرپورٹ ہے جو Seebair Port کے نام سے مشہور ہے۔

شہر میں بہت ساری میڈیکل سہولت بھی ہے۔ شہر کا سب سے بڑا اسپتال Al Nahda کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اسپتال روئی شہر کے قریب ہے۔ یہ ہاسپٹل ان تینوں شہروں کا Main Medical Centre ہے۔

عمان میں ایک عالیشان برٹش لائبریری بھی ہے جس

سیر کر دنیا کی

میں ہر قسم کے موضوع پر کتابیں موجود ہیں۔ یہ لائبریری عوام کے لیے سنیچر Saturday، اتوار Sunday اور بدھ Wednesday کو کھلی رہتی ہے۔ منگل کے دن یہ لائبریری دوپہر کو 2 بجے سے رات 8:45 پونے نو بجے تک کھلی رہتی ہے۔ جمعرات اور جمعہ کے دن لائبریری بند رہتی ہے۔

یہاں بہت سارے میوزیم بھی ہیں مثلاً Sultan Musium، Children Musium وغیرہ یہ سارے میوزیم دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

آیئے اب میں آپ کو صلالہ کے بارے میں کچھ معلومات دے دوں۔

مسقط سے صلالہ کا فاصلہ 1200 کلومیٹر ہے۔ مسقط اور صلالہ دونوں ہی سلطنت آف عمان ہی کے شہر ہیں لیکن دونوں کی آب و ہوا میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مسقط کی تپتی دوپہر میں دوزخ کا سماں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس صلالہ کا موسم ٹھنڈا اور ابر آلود رہتا ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہتی ہیں اور چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔ یہاں انبیاء کرام اپنی آرام گاہوں میں آرام فرما ہیں جن میں حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت عمران علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا نام قابل ذکر ہے۔ حضرت عمران علیہ السلام کی قبر مبارک کی لمبائی دیکھ کر انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے جو 90 فٹ ہے۔ یہاں ملکہ سبا (ملکۂ بلقیس) کے محل کے کھنڈرات بھی ہے جو آج دنیا کو درس عبرت دے رہے ہیں۔ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ایک عظیم الشان سلطنت کی ملکہ تھی جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام کے دور کا جادوگر سامری کی بھی قبر ہے۔ دو تین بہت ہی خوب صورت سیر و تفریح کے مقامات ہیں جس کی خوب صورتی دلوں کو مسحور کر دیتی ہے۔ صلالہ سلطان قابوس بن سعید کا پیدائشی شہر ہے۔

غرض سلطنت آف عمان ایک خوش حال ملک ہے اور یہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اس کی ترقی قابل رشک ہے اور وہ دن دور نہیں جب عمان کا شمار دنیا کی ترقی یافتہ ملکوں میں ہوگا۔

■

Kauser Muneer
Near Qabrastan Masjid
At. Q.P.O Nandgaon Nasik (Maharashtra)

ذکی احمد

برسات

ہے برسات رِم جھم برستا ہے پانی
برسنے کی بادل نے ہے آج ٹھانی

بچھی سبز مخمل ہے کھیتوں میں ہر سُو
درختوں نے اوڑھا ہے دوشالہ دھانی

فضاؤں میں کچھ ایسا جادو بھرا ہے
کہ بوڑھے درختوں پہ آئی جوانی

تھی گرمی سے بے چین ساری خدائی
یہ بارش ہے اللہ کی مہربانی

کبھی سردی، گرمی کبھی تیز بارش
کہ دنیا میں ہر چیز ہے آنی جانی

یہ ہر کام کے واسطے ہے ضروری
وہ کھیتی، کسانی ہو یا باغبانی

سنی جب سے بارش کی تعریف اس نے
تو گرمی نے برسات سے ہار مانی

ہمیں بچپنے میں بتاتی تھیں نانی
کہ بادل سمندر سے لاتا ہے پانی

شرارت پہ بچوں کی گرتی ہے بجلی
تو ہوتا ہے نقصان مالی و جانی

بگڑتا ہے بادل تو اولے گرا کر
وہ لاتا ہے اک آفتِ ناگہانی

شرارت نہیں چھوڑی اب تک ذکی نے
بڑوں کی کبھی بات اس نے نہ مانی

■

Zaki Ahmad
Chandan Patti, Darbhanga (Bihar)

حیدر بخش حیدری

اب تک آپ نے پڑھا کہ

ملک یمن میں بادشاہ طے کا شریف اور سخی بیٹا حاتم تھا۔ وہ لوگوں کی بھلائی اور دوسروں کی مدد کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتا تھا۔ خراسان کے ایک سوداگر برزخ کی بیٹی حسن بانو کی خوب صورتی کے چہار سو چرچے تھے۔ برزخ نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپ دی تھی۔ حسن بانو بڑی نیک دل تھی۔ اس نے اپنے سوداگر باپ کی دولت دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرنی شروع کردی۔ یہ دیکھ کر اس کی دایہ نے اُسے روکا کہ ابھی تمہاری بہت لمبی عمر ہے ایسے دولت نہ ختم کرو۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک شریک حیات کا انتخاب کرو۔ اچھے قابل اور بہادر انسان کی تلاش کے لیے سات سوال کرو۔ جو نوجوان سارے سوالات حل کرلے اُس سے شادی کرو اور چین وسکون کی زندگی گزارو۔ اسی بیچ ایک جعلی بزرگ نے حسن بانو کی ساری دولت لوٹ لی۔ حسن بانو نے جب بادشاہ سے شکایت کی تو بادشاہ نے اسے جھوٹا قرار دے کر شہر سے نکال دیا۔ حسن بانو اور اس کی بوڑھی دایہ ایک جنگل میں رہنے لگے۔ ایک رات حسن بانو کو خواب میں نظر آیا کہ جس درخت کے نیچے وہ سو رہی ہے وہاں سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ حسن بانو نے اٹھ کر دایہ کو اپنا خواب بتایا اور دونوں نے اس خزانے کو حاصل کیا اور جنگل میں عالی شان محل بنا کر رہنے لگیں۔ کچھ دنوں بعد حسن بانو نے ایک لڑکے کا بھیس بدلا اور خراسان کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی عقل مندی سے اُس جعلی پیر کی حقیقت سب کے سامنے لادی۔ بادشاہ یہ سب جان کر بہت شرمندہ ہوا اور حسن بانو کی ساری دولت واپس کردی۔ حسن بانو اب ہنسی خوشی رہنے لگی اور اللہ کی راہ میں اپنی

دولت لٹانے لگی۔ شہر خوارزم کے شہزادے منیر شامی کو بھی حسن بانو کے حسن اور سخاوت کا علم ہوا۔ وہ حسن بانو کی محبت میں گرفتار ہو کر حسن بانو سے ملنے آ پہنچا اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حسن بانو نے شرط رکھی کہ میرے ساتوں سوالوں کا جواب لا دو پھر میں تم سے شادی کروں گی۔ منیر شامی نے پہلا سوال دریافت کیا اور جواب ڈھونڈنے نکل پڑا لیکن وہ ناکام رہا۔ اس کی ملاقات حاتم سے ہوتی ہے۔ حاتم اسے دلاسا دیتا ہے اور حسن بانو کے پاس منیر شامی کو رکھ کر وہ پہلے سوال کا جواب لانے نکل پڑتا ہے۔

حاتم ایک جنگل میں پہنچا جہاں اُسے ایک ہرنی ملتی ہے۔ حاتم نے ایک بھیڑیے سے ہرنی کی جان بچائی اور آگے نکل گیا۔ اُس نے بعد میں ایک گیدڑ کی بھی مدد کی۔ گھنے جنگلوں میں حاتم ریچھوں سے گھر جاتا ہے۔ ریچھ کے بادشاہ نے اپنی بیٹی سے حاتم کی شادی کردی۔ کچھ مہینوں کے بعد حاتم نے وہاں سے دشت ہویدا کی راہ لی جہاں اسے پہلے سوال کا جواب ملنا تھا۔ بڑی مشکل سے حاتم دشت ہویدا پہنچا اور اس شخص سے ملاقات کی جو جنگل میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ حاتم نے اس کی مشکل آسان کردی اور پہلے سوال کا جواب تلاش کرلیا۔ حاتم واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس سے دوسرا سوال پوچھا اور اس کا جواب لانے نکل پڑا۔ اب آگے:

دوسرا سوال

نیکی کر اور دریا میں ڈال

حُسن بانو نے کہا ”دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے دروازے پر لکھ کر لگا دیا ہے کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔ یہ کیا بھید ہے؟“ حاتم یہ سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ پوچھا ”اتنا تو بتاؤ کہ یہ جگہ کس طرف ہے۔“ حسن بانو نے کہا ”میں نے اپنی دائی سے سنا ہے کہ وہ جگہ یہاں سے اُتر کی طرف ہے۔“

بس اتنی بات معلوم کر کے حاتم وہاں سے چل نکلا۔ ایک مدت کے بعد کسی جنگل میں جا پہنچا۔ وہاں سے رونے کی آواز آئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک خوبصورت جوان زمین پر بیٹھا آنسو بہا رہا ہے۔ حاتم نے پوچھا ”اے جوان! تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے جو اس طرح آنسو بہا رہا ہے؟“

اُس نے کہا ”اے مسافر! میں سوداگر ہوں اور یہاں سے بارہ کوس دور ایک شاندار شہر ہے۔ اک دن پھرتا پھراتا سوداگری کا مال لے کر اس شہر میں جا نکلا۔ اتفاق سے اوپر نظر اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک حسین لڑکی کھڑی بال سکھا رہی ہے۔ میں نے پوچھا ”یہ کون ہے؟“ پتہ چلا یہ حارس سوداگر کی بیٹی ہے اور جو اس کے تین سوالوں کے جواب لا کر دے گا اُسی سے شادی کرے گی۔ یہ بات سنتے ہی میں اس کی ڈیوڑھی پر پہنچا۔ اُس نے کہا:

- پہلا سوال یہ ہے کہ اس شہر کے قریب ایک غار ہے۔ وہاں آج تک کوئی نہیں گیا۔ اس کا حال معلوم ہونا چاہیے۔
- دوسرا سوال یہ ہے کہ جمعہ کی رات کو جنگل سے آواز آتی ہے کہ افسوس میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔ اس کا راز کیا ہے؟
- تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ مہرہ جو سانپ کے پیٹ میں ہے لا کر دے۔

یہ سننا تھا کہ میرے ہوش و حواس گم ہوگئے۔ اُس نے

مجھے شہر سے نکال دیا اور میں اس جنگل میں آ پڑا۔

حاتم اس مصیبت کے مارے کو ساتھ لے کر شہر کے اندر گیا اور کہلوایا کہ ''میں بیاہ کرنے کو آیا ہوں۔'' حارس کی بیٹی نے اسے بلایا اور پردے کے پیچھے بیٹھ کر بات کی۔ اپنے سوال بتائے۔ حاتم نے کہا ''میں ان سوالوں کے جواب لانے کے لیے کمر بستہ ہوں مگر میری ایک شرط ہے۔ اگر میں جواب لا دوں تو پھر تو میری ہے اور مجھے اختیار ہے کہ جس کو چاہوں تجھے دے ڈالوں۔'' اُس نے یہ بات مان لی۔

حاتم وہاں سے رخصت ہوا۔ شہر کے بہت سے لوگ اُس کے ساتھ آئے اور غار دکھا کر چلے گئے۔ حاتم اس میں کود پڑا۔ ایک دن اور ایک رات اس میں چکر کھاتا رہا تب جا کر زمین سے پاؤں ٹکے۔ سامنے ایک صاف شفاف تالاب تھا اور اس کے پیچھے ایسی لمبی اور اونچی دیوار جس کا اور تھا نہ چھور۔ قریب پہنچا تو اس میں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ حاتم اُس میں داخل ہو گیا۔ ایک بستی نظر پڑی جس میں ایک سے ایک شاندار مکان تھا۔

حاتم ابھی اس سوچ میں تھا کہ کیا کرے۔ اتنے میں سامنے سے اَن گنت دیو آتے دکھائی دیے۔ حاتم کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف دوڑ پڑے۔ قریب تھا کہ اس کی تِکّا بوٹی کر دیں کہ ایک دیو بول اٹھا ''یارو! یہ آدم زاد ہے۔ اس کا گوشت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ سردار کو پتہ چلے گا تو کولھو میں پلوا دے گا۔ اس کی بیٹی کی آنکھیں دُکھتی ہیں۔ کوئی دوا اثر نہیں

کرتی۔شاید یہ کوئی ترکیب بتائے۔اِسے لے چلو۔''

یہ بات سب کو پسند آئی۔ وہ سب حاتم کو لے کر اپنے سردار کے پاس پہنچے۔سردار نے کہا''اے جوان! بہت دنوں سے میری بیٹی کی آنکھیں دُکھتی ہیں۔کسی طرح آرام نہیں ہوتا۔ ہوسکے تو کوئی علاج کر۔'' حاتم نے اپنی پگڑی سے مہرہ نکال کر پانی میں ڈالا اور وہ پانی اس کی آنکھوں میں لگا دیا۔اللہ کا کرنا ایسا ہوکہ اس کی آنکھیں فوراًاچھی ہوگئیں۔اب تو سردار بہت خوش ہوا۔اسے بادشاہ کے پاس لے گیا اور بڑی تعریفیں کیں۔

بادشاہ نے کہا''اے مسافر! مجھے مدتوں سے پیٹ کے درد کی شکایت ہے۔ہزاروں علاج کیے،مرض دور نہ ہوا۔اگر تو میری تکلیف دور کردے تو تیرا احسان کبھی نہ بھولوں۔'' حاتم نے کہا ''اے مہربان بادشاہ! علاج کرنا میرا کام ہے،اچھا کرنا تو خدا کے اختیار میں ہے۔پہلے آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کھانا کس طرح کھاتے ہیں؟'' اس نے جواب دیا''سب امیروں اور وزیروں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا ہوں۔'' حاتم نے کہا''خوب! آپ جس وقت کھانا کھائیں،اجازت دیجیے کہ میں بھی موجود رہوں۔''

بادشاہ نے کہا ''مناسب۔ اب کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔تو بھی میرے ساتھ چل۔'' حاتم نے ایسا ہی کیا۔اندر پہنچے تو دسترخوان بچھا۔اس پر طرح طرح کے لذیذ کھانے چنے گئے۔ بادشاہ کھانا شروع کرنا چاہتا تھا کہ حاتم نے اسے روک دیا اور ایک قاب سے سرپوش ہٹایا۔ جتنے لوگ موجود تھے انھیں دکھا کر پھر ڈھک دیا۔تھوڑی دیر میں وہ قاب کھولی تو کھانے کی جگہ کیڑوں سے بھری تھی۔ یہ نرالی بات دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔

حاتم نے کہا''بادشاہ سلامت! بات یہ ہے کہ آپ کے کھانے پر لوگوں کی نظر ہوجاتی ہے۔آپ اکیلے بیٹھ کر کھانا کھایا کیجیے۔''اس کے بعد بادشاہ ایسا ہی کرنے لگا۔دو تین دن میں اس کے پیٹ کا درد بالکل اچھا ہوگیا۔اب تو بادشاہ حاتم کا گرویدہ ہوگیا۔اُسے گلے سے لگا لیا اور بولا''تو نے میرا بڑا کام کیا۔میں تجھے منہ مانگا انعام دوں گا۔بول کیا مانگتا ہے؟''

حاتم نے کہا''اے بادشاہ! میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔مجھے کچھ نہیں چاہیے۔بس اتنا چاہتا ہوں کہ جتنے آدم زاد تیری قید میں ہیں ان سب کو آزاد کردے۔'' بادشاہ کے حکم سے سارے قیدی پیش کیے گئے اور ان سب کو آزاد کردیا گیا۔

پھر بادشاہ حاتم سے بولا''بھائی مجھ پر ایک احسان اور کر۔میری بیٹی ایک مدت سے بیمار ہے۔نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ذرا اسے دیکھ لے۔ممکن ہے تیری کوشش سے وہ اچھی ہوجائے۔ اگر ایسا ہوگیا تو میں ہمیشہ کے لیے تیرا بے دام غلام ہوجاؤں گا۔'' حاتم نے کہا''بسم اللہ، چلیے اسے بھی دکھائیے۔'' بادشاہ حاتم کو محل میں لے گیا۔حاتم نے ایک ہفتے تک اُسے مہرے کا پانی پلایا۔اللہ نے مدد کی اور وہ اچھی ہوگئی۔چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا۔حاتم نے بادشاہ سے اجازت چاہی۔اُس نے بہت سے قیمتی تحفے دیے اور بڑی عزت کے ساتھ حاتم کو غار سے رخصت کیا۔

غار سے نکل کر حاتم حارس سوداگر کی بیٹی کے پاس پہنچا اور اُسے غار کا سارا حال سنایا۔اُس کے بعد اُس آواز کی کھوج میں چلا جو ہر جمعہ کی رات کو جنگل کی طرف سے آتی تھی۔ بہت دنوں بعد ایک ایسے گاؤں میں جا پہنچا۔ جہاں کے سب رہنے والے رو رہے تھے۔ لوگوں سے پوچھا ''کیا ماجرا ہے؟''انھوں نے کہا''ہم بدنصیبوں کے گاؤں میں ہر مہینے کی سات تاریخ کو ایک بلا آتی ہے اور ایک آدمی کو کھا جاتی ہے۔ اس مرتبہ ہمارے سردار کے بیٹے کی باری ہے۔ہم سب اس

لیے روتے ہیں۔"

حاتم نے سب کو تسلی دی اور کہا "تم غم نہ کرو۔ اس بار تمھارے سردار کے بیٹے کی جگہ میں اُس کے پاس جاؤں گا۔ مگر یہ بتاؤ وہ بلا ہے کس صورت شکل کی۔" لوگوں نے اُس کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ حاتم نے کہا "گھبراؤ مت۔ جو میں کہوں وہ کیے جاؤ۔ اللہ نے چاہا تو اس بلا سے نجات پاؤ گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا "تم جیسے کہو گے ہم ویسے ہی کریں گے۔"

حاتم نے سو گز لمبا اور سو گز چوڑا ایک آئینہ تیار کرا کے اس میدان میں رکھ دیا جہاں وہ بلا آیا کرتی تھی۔ اوپر سے ایک چادر ڈھک دی۔ حاتم اُس بلا کے آنے سے پہلے آئینے کے پیچھے چھپ کر بیٹھ رہا۔ آدھی رات کے بعد وہ بلا آئی۔ حاتم نے چپکے سے چادر سرکا دی۔ بلا نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو غصے سے پھولنے لگی اور ایسی ایسی ڈراونی آوازیں نکالیں کہ بستی کے رہنے والوں کے دل دہل گئے۔ آخر پھولتے پھولتے بلا کا پیٹ پھٹ گیا۔ ذرا دیر میں بے جان ہو کر زمین پر آ رہی۔

بلا کے مرنے کا لوگوں کو پتہ چلا تو بہت خوش ہوئے۔ سب دوڑے دوڑے حاتم کے پاس آئے۔ سردار بھی آیا اور قدموں پر گر پڑا۔ بولا "تو جو کہے وہ حاضر کروں۔" حاتم نے کہا "میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ مجھے تو کسی اور ہی کام کی دھن سوار ہے۔" سردار نے پوچھا "وہ کیا ہے؟" حاتم نے ساری بات بتائی۔ سردار نے کہا "وہ آواز تو ہم بھی سنتے ہیں لیکن اس کا حال کسی کو نہیں معلوم۔" حاتم نے

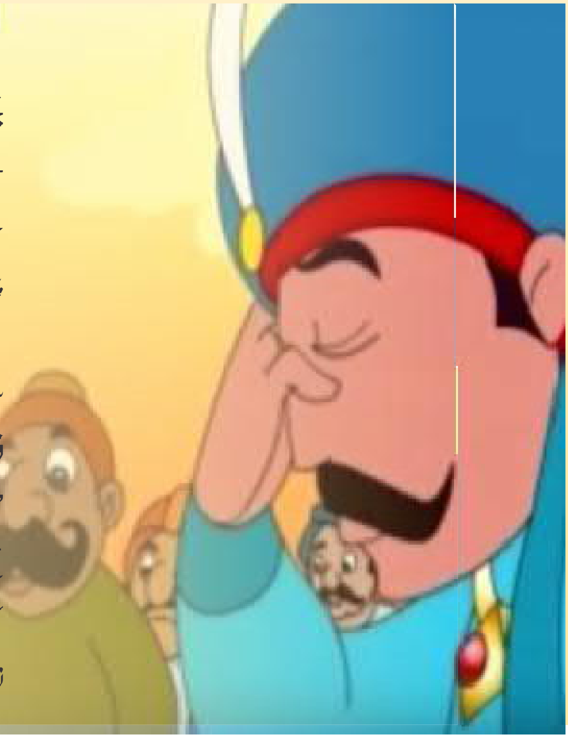

کہا ’’آج کی رات میں اسی بستی میں ٹھہر کر وہ آواز سنوں گا۔‘‘

وہ رات حاتم نے اسی بستی میں گزاری۔ آدھی رات کو آواز گونجی ’’افسوس میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔‘‘ حاتم فوراً اس آواز کی طرف چل پڑا۔ آخر چلتے چلتے ایک قبرستان میں جا نکلا۔ اچھی جگہ تھی۔ سوچا آج کی رات یہیں آرام کرلوں۔ اینٹوں کا تکیہ بنایا اور ایک کونے میں لیٹ رہا۔

آدھی رات بیتی تھی کہ عجب کرشمہ دکھائی دیا۔ ایک ایک کرکے ساری قبروں کے منہ کھل گئے اور ہر ایک میں سے ایک ایک بزرگ نکلا جو سفید چادر اپنے جسم سے لپیٹے تھا۔ ایک نے چاندنی کا فرش بچھا دیا۔ باقی سب آ آ کر فرش پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص ایک ٹوٹی قبر سے نکلا۔ اس کا لباس ملگجا تھا، چہرے سے رنج و غم ٹپکتا تھا۔ وہ آیا اور چاندنی سے الگ زمین پر بیٹھ گیا۔ ذرا دیر میں قہوے کا دور چلنے لگا مگر اُس غریب کو کسی نے نہ پوچھا۔ اتنے میں اس بدنصیب آدمی نے بڑی دکھ بھری آواز میں کہا ’’افسوس، میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔‘‘ تھوڑی دیر میں ہر ایک کے آگے خوان آیا۔ ہر خوان میں ایک پیالہ کھیر کا اور ایک کوزہ ٹھنڈے پانی کا تھا۔ اس بیچارے کے پیالے میں کنکر پتھر اور کوزے میں خون بھرا تھا۔

حاتم ایک کونے میں چھپا یہ سب کچھ دیکھتا تھا۔ ایک بزرگ نے حاتم کو بھی کھیر کا پیالہ اور ٹھنڈے پانی کا کوزہ لاکر دیا۔ حاتم نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ’’آپ کی مہربانی کہ آپ نے میرا اتنا خیال کیا مگر یہ تو بتایئے کہ اس بیچارے نے کیا قصور کیا ہے کہ اُسے کھیر کی جگہ کنکر پتھر اور پانی کی جگہ خون دیتے ہیں؟‘‘ بزرگ نے جوب دیا ’’اے نوجوان! اس کا حال تو ہم میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم۔ پوچھنا چاہتے ہو تو تم خود جاکر اسی سے پوچھ لو۔‘‘

یہ جواب سن کر حاتم اٹھا اور اس مصیبت زدہ کے پاس پہنچا۔ سلام کیا اور پاس ہی بیٹھ گیا۔ جو کچھ دیکھا تھا اس کا سبب پوچھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رو کر بولا ’اے جوان! میرا نام یوسف ہے۔ میں سوداگر تھا اور ان سب کا سردار تھا جو میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ میں نے بڑی دولت کمائی مگر اللہ کے راستے میں کچھ بھی خرچ نہ کیا۔ نیکی کی جو بات کسی نے سمجھائی وہ میری سمجھ میں نہ آئی۔ ہمارا قافلہ ایک دن تجارت کا سامان لیے اس راستے سے گزر رہا تھا۔ اچانک ڈاکو ٹوٹ پڑے۔ سب کچھ چھین لیا اور ہمیں مار کر یہاں دفن کردیا۔ میں نے اپنے کیے سزا پائی۔ ان لوگوں کی نیکی ان کے کام آئی۔ یہ بھی سن لے کہ میں چین کا رہنے والا ہوں۔ اب میری اولاد کا یہ حال ہے کہ ٹکرے ٹکڑے کو محتاج ہے۔‘‘

حاتم کو سوداگر کے حال پر بہت ترس آیا۔ سوداگر سے پوچھا ’’یہ بتا اب بھی کوئی صورت ہے کہ تجھے اس تکلیف سے چھٹکارا ملے۔‘‘ سوداگر نے کہا ’’ہاں، ایک صورت ہے۔ ایک جگہ میری بہت سی دولت دفن ہے۔ کوئی وہاں جائے۔ اُسے کھود کر نکالے۔ اس میں سے ایک حصہ میری اولاد کو دے۔ باقی اللہ کے راستہ میں بانٹ دے۔ اس طرح مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا مل سکتا ہے اور اللہ مجھ سے راضی ہوسکتا ہے۔‘‘

حاتم نے کہا ’’اے عزیز! میں ضرور تیری مدد کروں گا۔ اللہ چاہے تو آج ہی تیرے ملک کی طرف روانہ ہوتا ہوں اور جو ترکیب تو نے بتائی ہے وہ کرتا ہوں۔‘‘ یہ کہہ کر حاتم اٹھ کھڑا ہوا اور چین کی طرف جانے کے لیے کمر کس لی۔ چلتے چلتے ایک جگہ کنواں نظر آیا۔ پیاسا تھا۔ چاہا کہ اس سے لے کر پانی پیے۔

اتنے میں کنویں سے ایک سانپ نے منہ نکالا اور ایک آدمی کی کمر میں بل ڈال کر اسے اندر کھینچ لیا۔ حاتم اللہ کا نام لے کر کنویں میں کود پڑا۔ جوں ہی زمین سے پیر ٹکے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ چاروں طرف ایک وسیع میدان ہے۔ ہرے بھرے درخت ہیں۔ سامنے ایک عالی شان محل ہے جس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ حاتم اندر داخل ہو گیا۔ ایک جڑاؤ تخت پر نظر پڑی جس پر کوئی آدمی سو رہا تھا۔ اتنے میں وہ سانپ نظر آیا اور اس نے حاتم پر حملہ کر دیا۔

حاتم نے دوڑ کر اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ سانپ اس زور سے چیخا کہ تخت پر سویا ہوا آدمی اٹھ بیٹھا۔ اُس نے حاتم سے کہا ''اے اجنبی! اس سانپ کو چھوڑ دے۔'' حاتم نے کہا ''خدا کی قسم! اگر اس نے مسافر کو نہ چھوڑا تو میں اسے جیتا نہ چھوڑوں گا۔'' یہ تکرار ہو ہی رہی تھی کہ سانپ حاتم کو نگل گیا۔ حاتم پیٹ کے اندر پہنچ کر بہت گھبرایا۔ اتنے میں آواز آئی ''اے حاتم! یہ سب جادو کا کارخانہ ہے۔ تو برے جنجال میں پھنس گیا ہے۔ کمر سے خنجر نکال اور اس کا پیٹ چاک کر دے۔ یہاں سے نچنے کا بس یہی طریقہ ہے۔'' حاتم نے ایسا ہی کیا۔ پیٹ چاک کرتے ہی ایک چشمہ سا ابل پڑا اور حاتم اس میں تیرنے لگا۔ آخر تیرتا تیرتا ایک بیابان میں جا نکلا۔ دیکھا وہاں بہت سے آدمی کھڑے ہیں جو سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں۔ ان آدمیوں میں وہ بھی شامل تھا جسے سانپ نے کنویں میں کھینچا تھا۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ سب لوگ وہی ہیں جنھیں سانپ نے پکڑا تھا۔ حاتم نے کہا ''بھائیو! سب خدا کا شکر ادا کرو کہ اس طلسم سے چھٹکارا ملا اور اپنے اپنے گھر کی راہ لو۔'' وہ سب حاتم کو دعائیں دیتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ ان سب لوگوں کو رخصت کرکے حاتم پھر چین کی طرف

روانہ ہوا۔ چلتے چلتے ایک عالی شان شہر کے دروازے پر پہنچا۔ لوگ اسے پکڑ کر لے گئے اور بادشاہ کے سامنے پیش کردیا۔ حاتم بہت غصے میں تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا ''تمھارے شہر کا نرالا دستور ہے۔ مہمان کی خاطر کرنے کے بجائے اسے گرفتار کرلیتے ہیں۔'' یہ بات سن کر بادشاہ رونے لگا اور بولا ''اے مسافر! تو ٹھیک کہتا ہے لیکن ایک بلا نے ہمیں مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔'' حاتم نے کہا ''وہ بلا کون سی ہے؟'' بادشاہ نے کہا ''وہ بلا خود میری لڑکی ہے۔ اسے کسی نے جادو کردیا ہے۔ جو مسافر اس شہر میں آتا ہے اس سے دو سوال کرتی ہے۔ وہ جواب نہیں دے پاتا اور مفت میں مارا جاتا ہے۔ اِس شہر کا نام کبھی عادل نگر تھا مگر اسی لیے اب اس کا نام بیداد نگر ہے۔''

حاتم نے اس لڑکی کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ اُسے لے کر اپنی بیٹی کے پاس گیا۔ محل میں جاکر دیکھا کہ شہزادی تخت پر بیٹھی ہے۔ صورت ایسی پیاری ہے کہ حور پری دیکھے تو شرما جائے۔ حاتم پاس جا بیٹھا۔ شہزادی دیر تک اچھی اچھی باتیں کرتی رہی۔ اتنے میں رات ہوگئی۔ کھانا آیا۔ سب نے ہنسی خوشی کھایا اور پھر باتیں شروع ہوگئیں۔ اس میں آدھی رات ڈھل گئی۔ اس وقت سب آدمی باہر چلے گئے۔ اب شہزادی اور حاتم اکیلے رہ گئے۔ دیکھتے دیکھتے شہزادی پر دورہ سا پڑ گیا۔ پاگلوں کی طرح کود پھاند کرنے لگی اور حاتم کے پاس آکر بولی ''اے اجنبی! یہ بتا تجھے اپنی جان پیاری نہیں جو یہاں آیا۔'' حاتم چپ رہا۔ شہزادی نے کہا ''اچھا اب تو ہمارے سوالوں کے جواب دے۔ ایسا لگتا ہے کہ تیری موت تجھے یہاں لائی ہے۔'' حاتم نے کہا ''خیر، موت زندگی تو خدا کے ہاتھ میں ہے، تو اپنے سوال بتا۔''

شہزادی بولی ''پہلے تو یہ بتا کہ وہ کون سا میوہ ہے جو سب میووں سے زیادہ میٹھا ہے؟'' حاتم جھٹ سے بولا ''اولاد۔'' شہزادی نے پھر پوچھا ''وہ کیا چیز ہے جو ہر ایک کو کھا لیتی ہے؟'' حاتم نے جواب دیا ''موت۔'' دونوں جواب سنتے ہی شہزادی تھر تھر کانپنے لگی اور بے ہوش ہوکر گر پڑی۔ اس کے گرتے ہی اس کے بدن میں سے ایک کالا سانپ نکل کر حاتم کی طرف لپکا۔ حاتم نے جھٹ پگڑی سے مہرہ نکال کر منہ میں رکھ لیا۔ سانپ نے جیسے ہی حملہ کیا حاتم نے اس کی گردن مروڑ کر ایک ہنڈیا میں بند کردیا اور زمین میں گڑھا کھود کر ہنڈیا اُس میں دبا دی۔ اُس کے بعد حاتم شہزادی کے قریب پہنچا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دن نکلتے نکلتے وہ ہوش میں آگئی۔ حاتم کو دیکھ کر چونکی اور بولی ''تو کون ہو اور میرے محل میں کس طرح آیا؟'' حاتم نے اپنے آنے، لڑکی کے سوال کرنے اور سانپ کے مارے جانے کا حال بتایا۔ وہ بڑی حیران ہوئی۔ پھر اُس نے دائی کو آواز دی اور حاتم سے کہا کہ سارا حال اسے بھی سنا۔ اُس کے بعد بادشاہ آیا اور اس نے بھی سارا واقعہ سنا۔ سب حیران تھے۔ حاتم نے کہا ''اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ وہ سانپ جو مارا گیا اصل میں ایک جن تھا۔ یہ جن شہزادی کے سر پر سوار ہوگیا تھا۔ ہر مسافر کو وہی مار ڈالتا تھا۔ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ شہزادی کو اس سے چھٹکارا ملا اب اس پر پاگل پن کا دورہ نہیں پڑے گا۔'' بادشاہ یہ خوش خبری سن کر بہت خوش ہوا اور حاتم سے کہا ''اے نیک دل انسان! میں تیرا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ اب میری بڑی خواہش یہ ہے کہ تو میری بیٹی سے شادی کرلے۔'' حاتم راضی ہوگیا تو دھوم دھام سے دونوں کا بیاہ ہوگیا۔ (جاری...)

ماخذ: حاتم طائی کا قصہ، مرتب: نورالحسن نقوی
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

امن

مہکنے لگے جس سے دنیا کا گلشن
خدا سے وہ امن و سکوں مانگتا ہوں
ہو جو دنیا کے لیے امن و سکوں کا ضامن
ایسا پیغام سناؤ تو کوئی بات بنے
چاہتا ہے تو اگر دل سے سکونِ دائمی
قتلِ دشمن کے بجائے دشمنی کو قتل کر
(اشوک ساہنی)

امید

خزاں کا دور ہے گھبرا نہ بلبلِ غمگیں
خزاں کے بعد ہی پھر موسمِ بہار بھی ہے
(عروج قادری)

اک کرن نور کی ظلمات پہ بھاری ہوگی
رات اُن کی ہے مگر صبح ہماری ہوگی
(علی سردار جعفری)

اندھیروں سے ڈرے کیوں دل ہمارا
بہت روشن ہے مستقبل ہمارا
(حفیظ میرٹھی)

میں کسی حال میں مایوس نہیں ہوسکتا
ظلمتیں لاکھ ہوں، امید سحر رکھتا ہوں
(نعیم)

چاہیے ہر سو ہو مسلط شبِ ظلمت پھر بھی
تم کو کرنی ہے امیدوں کی حفاظت پھر بھی
(اشوک ساہنی)

انسان-عظمت آدم

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں
(اقبال)

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
(میر)

جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
(اقبال)

خائف خدا ہے جن سے وہ انسان ہیں آجکل
ڈرتے تھے جو خدا سے وہ انسان نہیں رہے
(نریش کمار شاد)

ہزاروں خضر پیدا کرچکی ہے نسلِ آدم کی
یہ سب تسلیم لیکن آدمی اب تک بھٹکتا ہے
(فراق)

عظمت انساں اور انسانیت مرتی گئی
ہائے رے انسان بس ہندو مسلماں رہ گیا
(حیرت)

ضیاء عالم کوسگوی

انمول موتی

- جب تم غمگین ہو تو خدا کو یاد کرو دِل کو راحت ملے گی۔
- جب تم خوش ہو تو خدا کا شکریہ ادا کرو اور اپنے لیے خوشی کی دعا کرو۔
- کسی مظلوم کی مدد کرو خدا تمھاری مدد کرے گا۔
- جو کرنے جا رہے ہو دیکھ لو گویا وہ اچھائی کے لیے ہے یا برائی کے لیے جیسے کو ویسا ہی مل کر رہتا ہے۔
- کوئی غلط راہ پر ہو تو اُسے محبت سے سمجھاؤ پھر نہ مانے تو ڈانٹ کر سمجھاؤ پھر بھی نہ مانے تو اُسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔
- اچھے آدمی کے ساتھ ہر کوئی اچھائی سے پیش آتا ہے لیکن بُرے کے ساتھ اچھائی سے پیش آنا بہت ہی اچھائی ہے۔
- زبان بند رکھنا سب سے بڑی عبادت ہے۔
- عمل کے بغیر علم ایسا ہے جیسے جسم کے بغیر روح۔
- اصل یتیم وہ ہے جس نے علم حاصل نہیں کیا۔
- عبادت کے ذریعے انسان فرشتوں کے اعلیٰ درجات تک پہنچ سکتا ہے۔
- تم ہاتھ اُٹھانے سے پہلے آسمان کے دروازے کھولنے کی قوت پیدا کرو۔
- انسان مالک کو تو پہچانتا ہے مگر وہ اپنے خدا کو نہیں پہچانتا۔
- لوگ بیماری کے ڈر سے غذا چھوڑ دیتے ہیں لیکن خدا کے ڈر سے حرام چیز نہیں چھوڑتے۔
- مانگو فقیروں کی طرح مگر دو شہنشاہ کے انداز میں۔
- لوگوں کی اصلیت برے وقت کے پردے میں چھپی ہوتی ہے۔
- زندگی میں خدا کے سامنے آنسوؤں کے ڈھیر لگاتے جاؤ شاید کوئی نہ کوئی آنسو پسند آ جائے۔
- حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔
- بھولے بھٹکے اور اندھے کو راستہ دکھانا صدقہ دینے کے برابر نیکی ہے۔
- مصیبت کے وقت شکایت مت کرو کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ ناراض اور دشمن خوش اور دوست غمگین ہوتا ہے۔
- ماں باپ کی عزت کرو تمھاری اولاد تمھاری عزت کرے گی۔

■

Zia Alam Kosgavi
Marg Indra Gandhi Puram
H.No: 10/10/27, P.O: Sanat Nagar
Hyderabad - 500018 (Telangana)

دلچسپ و عجیب خبریں

بال بڑھانے کا انوکھا شوق

سریندرنگر: ریاست گجرات کے سوی بھائی راٹھوا اپنے طویل بالوں کی وجہ سے پورے علاقے میں مشہور ہیں اور وہ بالوں کو رسی کی طرح اپنے سر پر لپیٹ کر رکھتے ہیں جبکہ ان کے بالوں کی لمبائی 62 فٹ ہے۔ ریاست گجرات کے سوی بھائی

راٹھوا نامی شخص اپنے لمبے بالوں کے نسبت نام گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں درج کرانے کے خواہش مند ہیں۔ راٹھوا کے بالوں پر دور سے ایک طویل رسی کا گمان ہوتا ہے اور وہ بالوں کو اپنے سر پر پگڑی کی طرح لپیٹ کر رکھتے ہیں۔

راٹھوا اپنے بالوں کی حفاظت کے لیے ہر 48 گھنٹے بعد اپنی زلفوں کو 3 گھنٹے تک دھوتے ہیں جو بڑھتے بڑھتے اب

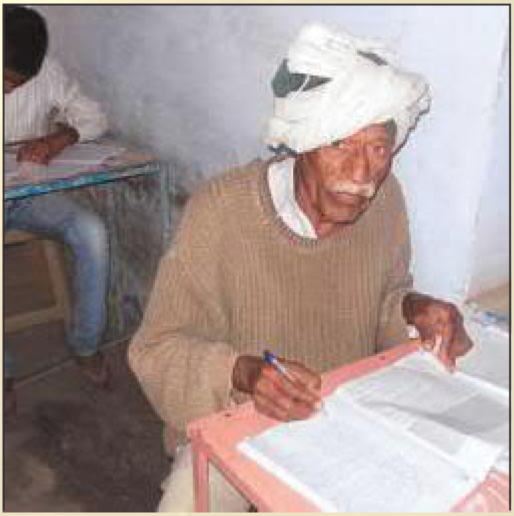

82 سالہ بزرگ اور میٹرک امتحان

جے پور: راجستھان کے شیو چرن نے عہد کیا تھا کہ وہ جب تک میٹرک کا امتحان پاس نہ کرلیں گے تب تک شادی نہیں کریں گے تاہم وہ اب تک 47 مرتبہ میٹرک کا امتحان دے چکے ہیں لیکن اس بار بھی وہ ناکام رہے اور اس طرح ان کی عمر 82 برس تک جا پہنچی ہے۔

شیو چرن نے اپنی جوانی میں شادی کو میٹرک پاس کرنے سے مشروط کیا تھا اور وہ 1969 سے میٹرک کا امتحان دے رہے ہیں۔ 1995 میں یہ بزرگ تمام مضامین میں پاس ہوئے تھے لیکن صرف ریاضی کا پرچہ پاس نہ کرسکے۔ شیو چرن کا کہنا ہے کہ جب تک وہ زندہ ہیں اس وقت تک امتحان دیتے رہیں گے۔ اس ناکامی کے بعد شیو چرن کا کہنا ہے کہ وہ آئندہ سال کے لیے بہترین اساتذہ سے مدد حاصل کریں گے۔

62فٹ طویل ہوچکی ہیں۔ بال دھونے کے بعد وہ انھیں قریبی کھیت میں سکھاتے ہیں جس میں مزید کئی گھنٹے لگتے ہیں۔

نیپال کے طویل العمر طالب علم

کاٹھمنڈو : کہتے ہیں پڑھنے لکھنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی ہے۔اسی کہاوت کو سچ کرتا ہے نیپال کا یہ سب سے بزرگ اسکولی بچہ۔ 6 بچوں کے والد اور 8 بچوں کے دادا 68 سال کے دُرگا کامی کی پڑھائی غریبی اور ذمے داریوں کی وجہ سے چھوٹ گئی تھی لیکن اب دُرگا کامی نیپال کے ایک اسکول میں 10 ویں کی پڑھائی کر رہے ہیں۔

دُرگا کامی کا کہنا ہے کہ ان کی اہلیہ قریب دس سال پہلے چل بسیں اور پھر انھیں اکیلا پن ستانے لگا۔ بچوں کو اسکول جاتے دیکھ کر ان کے من میں ایک بار پھر تعلیم حاصل کرنے کا شوق جاگا۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر سے پڑھائی کرنے کی خواہش ظاہر کی اور انھیں داخلہ مل گیا۔ اب درگا کامی کا کہنا ہے کہ وہ اگر 10 ویں پاس کرلیں گے تو داڑھی کٹوا لیں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ مرتے دم تک پڑھائی نہیں چھوڑیں گے۔ ان کو لگتا ہے کہ انھیں دیکھ کر لوگ پڑھنے کے لیے عمر کا بہانہ نہیں بنائیں گے۔

درگا کامی کو اسکول پہنچنے کے لیے لاٹھی کے سہارے ایک گھنٹہ چلنا پڑتا ہے۔ان کی کلاس میں 14 اور 15 سال کی عمر والے بچے ہیں۔ درگا کامی کے ساتھ پڑھنے والے طلبا انھیں 'با' کہہ کر بلاتے ہیں۔نیپالی میں 'با' کا مطلب ہوتا ہے 'والد'۔

53 سالہ خاتون نے جڑواں بچیوں کو جنم دیا

جنیوا... سویٹزرلینڈ کی ارب پتی خاتون مارگریٹ لوئیس ڈریفس نے 53 سال کی عمر میں جڑواں بچیوں کو جنم دیا ہے۔

عالمی ذرائع ابلاغ نے مارگریٹا لوئیس ڈریفس کے ترجمان کے حوالے سے بتایا کہ زچہ اور دونوں بچیوں کی صحت اچھی ہے۔ لوئیس ڈریفس اس سال 54 برس کی ہوجائیں گی۔ وہ اپنے خاوند رابرٹ لوئیس ڈریفٹ کے 2009 میں انتقال کے بعد 160 سال پرانے بڑے کاروباری اور فرانسیسی فٹبال کلب کی مالکہ ہیں۔ بعد میں مارگریٹا لوئیس ڈریفس نے سوس بینکر 52 سالہ فلپ ہیلڈ برانڈ سے شادی کرلی تھی جو ان کی جڑواں بچیوں کے والد ہیں۔

دو ٹانگوں والے میمنے کی پیدائش

بیجنگ : چین میں ایک بکری نے دو ٹانگوں والے میمنے کو جنم دیا ہے جسے پوری دنیا میں حیرت و استعجاب کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ بکری کے اس میمنے کی پچھلی دونوں ٹانگیں سرے سے موجود ہی نہیں۔ پیدائش کے بعد اسے کھڑے ہونے اور چلنے میں دشواری کا سامنا تھا تاہم اس نے ایک ہفتے میں چلنا سیکھ لیا۔

امریکی نوجوان اور مصنوعی دل

مشی گن : امریکہ میں 25 سالہ نوجوان کو مکمل دل منتقل کیا گیا لیکن اس سے قبل وہ تقریباً ڈیڑھ سال تک ایک ایسے مصنوعی قلب کے سہارے زندہ رہا جو اس کی پشت پر لگے بیگ میں

رکھا تھا اور جسم میں خون منتقل کر رہا تھا۔ امریکی ریاست مشی گن کے اسٹین لارکن نامی شہری کا اپنا دل شدید متاثر ہوچکا تھا اور اسے 'سنکارڈیا' نامی ایک بیرونی مصنوعی قلب لگایا گیا جو 24 گھنٹے اس کے جسم سے منسلک رہا اور اسٹین نے 555 دن تقریباً ڈیڑھ سال تک اسے استعمال کیا کیونکہ اسے دل کا عطیہ نہیں مل رہا تھا۔ 2014 میں نوجوان کو 'سنکارڈیا' نظام لگایا گیا اور وہ بیرونی قلب پر طویل عرصے تک انحصار کرنے والا پہلا

شخص بن گیا۔ نوجوان کو اپنی پشت پر رکھا دل جو اس کے پورے بدن میں خون کی گردش ممکن بنا رہا تھا اور اس دوران نوجوان دل کے عطیے کا انتظار کرتا رہا۔ آخر کار اسے دل کا عطیہ مل ہی گیا۔ اپنی کم عمری میں اسٹین ایک جینیاتی مرض کا شکار تھا جس سے ایک کیفیت فیمیلئل کارڈیو مایوپیتھی پیدا ہوئی۔ اس بیماری میں دل کسی ظاہری علامت کے بغیر ہی ناکارہ ہوجاتا ہے۔

یہ آلہ مشی گن فرینکل کارڈیو ویسکولر سینٹر کے ماہرین نے لگایا۔ اس آلے کا وزن 6 کلوگرام ہے جو آکسیجن شدہ خون پورے بدن کو روانہ کرتا ہے اور یوں مریض زندہ رہتا ہے۔ 555 دن تک اس آلے کے سہارے جینے والے اسٹین کو 9 مئی 2016 میں عطیہ قلب مل گیا اور اب وہ صحت مند زندگی گزار رہا ہے۔ 'سنکارڈیا' نظام کی افادیت کے بعد اب ایسے لاکھوں کروڑوں افراد کے لیے جینے کی راہ ہموار ہوگئی ہے جو قلب کے عطیے کا انتظار کرتے اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔

بلی کی 'میاؤں'

لندن : بلیوں سے محبت ہر معاشرے اور ثقافت میں نظر آتی ہے اور لوگوں کی اکثریت بالخصوص بچے تو بلیوں سے بے انتہا قربت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بلی ان سے باتیں کرے اور وہ اسے سمجھ بھی سکیں تو اس خواب کو برطانوی کمپنی نے حقیقت کا رنگ دیتے ہوئے ایسا آلہ تیار کیا ہے جس کی مدد سے بلی کی میاؤں کو سمجھا جاسکے گا اور مالک کے اس کے ساتھ تعلقات زیادہ قربت اختیار کر جائیں گے۔ برطانوی کمپنی نے اس جدید ترین اور حیران کن ڈیوائس کو تیار کیا ہے جو مائیکروفون، اسپیکر، بلیوٹوتھ ٹیکنالوجی اور وائی فائی پر مشتمل

ہے اور اسے کیٹر بکس کا نام دیا گیا ہے جبکہ یہ آلات بلی کی آواز کو وصول کرکے اسے انسانی زبان میں ترجمہ کر دیتے ہیں۔ یہ آلہ تھری ڈی پرنٹڈ کی خوبیاں رکھتا ہے جبکہ چار رنگوں والے اس آلے کو ربر سے ڈھانپا گیا ہے تاکہ بلی کے لیے آرام دہ ہو۔ آلے کے موجد اور کمپنی کے ڈائریکٹر کا کہنا ہے کہ تحقیق کے دوران انھوں نے بلی کی آواز اپنی آواز سے ریکارڈ کی جس کے لیے یہ پروٹوٹائپ ڈیوائس بنائی گئی اور اس کی بدولت بلی کی آواز کو کسی حد تک سمجھنا ممکن ہوگیا بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے پہلی بار بلی کو زبان دے دی ہے جس کی مدد سے اس کا مالک نہ صرف بلی کی ضرورت اور احساس سے واقف ہوسکے گا بلکہ دونوں کے درمیان نئے خوشگوار تعلقات قائم ہوسکیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس کی بدولت بلی کی 100 فیصد آواز تو نہیں سمجھی جاسکتی لیکن کافی حد تک سمجھنا ممکن ہوسکا ہے۔ ■

ماخذ : بی بی سی اور دیگر ویب سائٹس

ہمارا مدرسہ

ہمارا مدرسہ بہت خوب صورت ہے۔ اس کا نام اردو ہائی اسکول ہے۔ یہ خانہ پور شہر میں ہے۔ ہمارے مدرسے کے قریب ملپر بھاندی ہے جہاں سے تازی تازی ہوا آتی ہے۔ مجھے مدرسہ جانا بہت پسند ہے۔ مدرسے میں کئی کھیل، جلسے اور پروگرام ہوتے ہیں۔

دسمبر کے مہینے میں ہمارے مدرسے میں اسپورٹس تقریب ہوئی ہے۔ اسپورٹس میں کئی بچوں نے حصہ لیا اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔ میں نے بھی دوڑ میں حصہ لیا تھا اور تیسرے نمبر پر آئی۔ انعام میں ہمیں میڈل اور سرٹی فکیٹ ملا۔

ہمارے مدرسے میں یومِ اساتذہ، یوم آزادی، یوم جمہوریہ اور یوم اطفال وغیرہ منائے جاتے ہیں۔ یومِ اساتذہ کے موقعے پر ہمارے مدرسے کے بچے ہمارے اساتذہ کے بارے میں تقریریں کرتے ہیں۔ 15 اگست اور 26 جنوری کو بھی بہت سارے بچے تقریریں کرتے ہیں۔ آزادی کے بارے میں گیت گاتے ہیں۔ 14 نومبر کے دن کو تو ہمارے اساتذہ ہمارے لیے بڑا سا جشن رکھتے ہیں اور ہمیں چاکلیٹ اور بہت کچھ کھانے کے لیے دیتے تھے۔ ہمارے مدرسے میں سارے پروگرام خوشی خوشی سے مناتے ہیں۔

ہمارے اسکول میں کئی ادبی مقالے بھی ہوتے ہیں۔ جیسے تحریری مقابلہ، نعتیہ مقابلہ، کھانا پکانے کا مقابلہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ ہمارے مدرسے میں ہمارے خالد سر نے Maths Quiz Compitation رکھا تھا اور 4 گروپ بنائے ہوئے تھے۔ گروپ کے نام ریاضی دانوں کے اوپر رکھے گئے تھے۔ (1) تھیلس (2) فیثاغورث (3) آریہ بھٹ (4) جان وین Quiz Compitation کے لیے ہر بچہ 3 ہفتوں سے زور و شور سے تیاریاں کر رہا تھا اور سبھی نے بہت تیاری کی تھی جب 8 مارچ کو Quiz کا مقابلہ ہوا تو سبھی نے اچھے جواب دیے۔ جیت میرے تھیلس گروپ کی ہوئی۔ پہلے نمبر پر تھیلس، دوسرے نمبر پر فیثاغورث اور تیسرے نمبر پر آریہ بھٹ گروپ رہا۔

12 مارچ سے ہمارے سالانہ امتحان تھے۔ ہمارے اسکول کے گراؤنڈ میں ایک بھی بچہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سب بچے پڑھائی میں مصروف تھے۔ سالانہ امتحانات ہونے کے بعد بچوں نے راحت کی سانس لی۔

22 مارچ کو ہمارے اسکول میں الوداعی جلسہ تھا۔ ہر بچہ تیاری کر رہا تھا۔ الوداعی جلسہ کے موقعے پر سب بچے اچھی طرح تیار ہو کر آئے تھے۔ سب کے چہرے پر خوشی ہی خوشی تھی۔ بچوں کو انعامات دیے گئے۔ ڈرامے ہوئے تقریریں ہوئیں۔ دوپہر میں جلسہ ختم ہونے کے بعد شاندار کھانا کھایا۔

آخر میں ہمارے پورے سال کی محنت کا نتیجہ آنے والا تھا۔ 19 اپریل کو ہمارا Result تھا۔ سب بچوں کے چہرے پر ڈر تھا کہ ہم پاس ہوئے یا فیل۔ جب ہمارے خالد سر نے ہماری کلاس کو Report Card دیا تو پتہ چلا کہ سب بچے اچھے نمبر سے پاس ہوئے ہیں۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے بہت خوشی ہو رہی ہے انکل میں اپنے کلاس میں پہلے نمبر پر آئی۔

■

Misbah S
Class IX, Urdu High School Khanapur
Taluk: Khanapur, Distt: Belgaon - 591302

امین احمد انصاری

اولمپک ٹارچ

اگست 2016 میں برازیل میں اولمپک کھیل ہونے والے ہیں۔لیکن اولمپک ٹارچ نے 21اپریل سے ہی اپنا سفر شروع کردیا ہے۔آؤ،اولمپک ٹارچ کے بارے میں کچھ خاص باتیں جانیں۔

- اس سال یعنی 2016 کے اولمپک کھیلوں کا انعقاد برازیل کے ریو ڈی جینیرو میں 5 اگست سے 21 اگست تک کیا جائے گا۔
- اولمپک (2016) کی شروعات 21اپریل کو قدیم اولمپیا سے اولمپک ٹارچ جلا کر کی گئی۔یہاں سے یہ ٹارچ یونان ہوتے ہوئے 100 دنوں کی دوڑ ختم کرے گی۔
- اولمپک ٹارچ کل 83 ملکوں، 26 ریاستوں اور 500 شہروں کا سفر کر کے 5 اگست کو ریو ڈی جینیرو پہنچے گی اور اس کے ساتھ ہی اولمپک کھیلوں کا آغاز ہوگا۔
- اولمپک گیمس 5 اگست سے 21 اگست تک ریو ڈی جینیرو کے Maracana Stadium میں ہوں گے۔
- پوری دوڑ کے دوران 12000 دوڑنے والے (رنر) اس ٹارچ کو لے کر باری باری سے دوڑیں گے۔
- اس بار ہونے والے اولمپک کھیلوں میں 199 ملکوں کے قریب 10500 کھلاڑی حصہ لیں گے۔

ٹارچ کی خاصیت:

اس بار ٹارچ کی ڈیزائن بھی کچھ خاص ہے اور اس کا وزن قریب ڈیڑھ کلوگرام ہے۔ٹارچ کے اوپر دی گئی لائنوں میں ریو کی خاصیت بتائی گئی ہے۔

آسمان (The Sky): ٹارچ کا سب سے اوپری حصہ سورج کی علامت ہے۔اس کا مطلب ہے کہ برازیلین جہاں سے بھی گزریں، وہاں اپنی چمک اور جگمگاہٹ بکھیرتے ہوئے جائیں۔ اس کا سنہرا رنگ اولمپک کھیلوں کی کامیابی اور پہچان کو دکھلاتا ہے۔

پہاڑ (The Mountain): دوسری لائن ریو کے قدرتی حسن اور اس کے ہرے بھرے چکر دار پہاڑوں کو دکھلاتی ہے۔

سمندر (The Sea): تیسری نیلی لائن برازیل اور ریو کے سمندر، وہاں کے قدرتی حسن اور زمینی سطح کو دکھلاتی ہے۔

میدان (The Ground): ہری زمین ہماری تواریخ بتاتی ہے، اس لیے Copacabana Promenade (ریو کی ایک مشہور جگہ) کو دکھلاتی ہے۔

تکونی بناوٹ (Triangular Texture): ٹارچ کی مثلثی شکل اولمپک کھیلوں کی تین اہمیت، عظمت (Excellence)، دوستی (Friendship) اور احترام (Respect) کو دکھلاتی ہے۔

■

Amin Ahmad Ansari
Assitant Teacher
Kabiria Urdu Middle School
Zakirnagar, P.O. : Azadnagar
Jamshedpur-832110 (Jharkhand)

ہماری زبان

دوستو! ہم سب اِس بات سے واقف ہیں کہ اردو بے حد شیریں زبان ہے اور ساری دنیا میں مقبول ہے۔ اردو جاننے اور بولنے والے کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن درست اردو اور صحیح اردو جاننا بھی ہمارے لیے ضروری ہے۔ اِس کالم کے تحت ہم روزمرہ میں اردو کے استعمال سے متعلق کچھ کارآمد چیزیں پیش کریں گے جسے یقیناً آپ سب پسند کریں گے۔ (ادارہ)

اِن الفاظ میں 'ز' آتی ہے

زور	زیادہ	زلف	زیاں	زانو
زکام	زہد	زاہد	زندہ	زینہ
زعفران	زلزلہ	زندگی	زراعت	زینت
زرخیز	زمیندار	زمانہ	زوال	زاویہ
زوجہ	زُنار	زن	زین	زکوٰہ

اِن الفاظ میں 'ح' آتی ہے:

حال	حرکت	حسرت	حیرت	حکیم
احتیاط	حیران	حجام	حرارت	حکمت
حضرت	حقیقت	حدیث	صبح	حکومت
ناصح	تفریح	سطح	واضح	محکوم
محراب	محترم	محفل	محسوس	محفوظ
وحدت	احد	رحم	اصلاح	تشریح

ان الفاظ میں 'ض' لکھا جاتا ہے:

نبض	فضل	فیض	فضیلت	فضول
مضر	ضبط	ضرر	قبضہ	مضمون
ہیضہ	بیضہ	حوض	وضو	ضرورت
فضا	قضا	مضائقہ	ضد	ضرب
ضلع	ضمیر	ضائع	ضامن	ضمانت

ان الفاظ میں 'ذ' آتی ہے:

ذات	ذکر	ذوق	ذہن	ذہین
ذرا	ذرہ	ذخیرہ	ذمہ	ذریعہ
لذت	لذیذ	ذلّت	ذلیل	موذی
ذائقہ	مذہب	تہذیب	حاذق	اذان
کاغذ	جاذب			

اِن الفاظ میں 'ظ' آتی ہے:

ظرف	ظریف	ظاہر	ظہور	ظلم
ظالم	مظلوم	ظفر	منظور	نظم
انتظام	منتظم	ناظر	مظفر	اظہار
تحفظ	منظوم			

ممبئی کے کچھ مشہور اور اہم سیاحتی مقامات

گیٹ وے آف انڈیا اور ہوٹل تاج پیلیس

میرین ڈرائیو

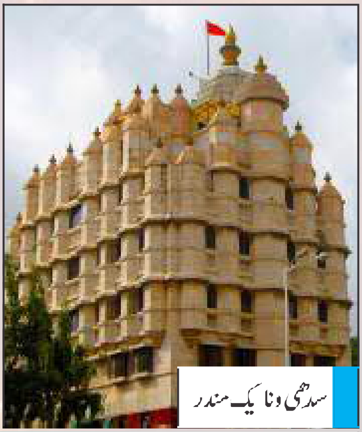
سدھی ونایک مندر

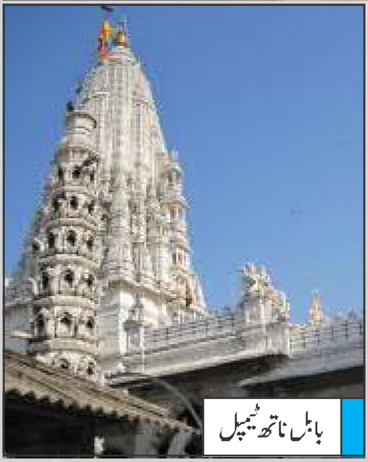
بابل ناتھ ٹیمپل

ایسل ورلڈ

حاجی علی درگاہ

جامع مسجد، ممبئی

آر کے اسٹوڈیو

گرگاؤں چوپاٹی

باندرہ ورلی سی لنک

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

ہنسی کے غبارے

ایک آدمی اپنے آپ کو بہت تیز سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ ٹرین میں بغیر ٹکٹ سوار ہو گیا۔ جب ٹکٹ چیکر آیا تو اس نے ٹکٹ مانگتے ہوئے کہا ٹکٹ دکھایئے۔

آدمی: ٹکٹ کیسا جناب، آزادی کا زمانہ ہے ہر چیز ہماری ہے ٹکٹیں ہماری ہیں۔ سیٹیں ہماری ہیں۔

ٹکٹ چیکر بات کہتے ہوئے: تو جناب جیلیں بھی آپ کی ہیں۔ وہاں تشریف لے جایئے۔

باپ (بیٹے سے): افضل تم رات کو کس وقت سوئے تھے؟

افضل: میں رات کو دو بجے تک ہوم ورک کرتا رہا۔

باپ: مگر رات گیارہ بجے تو بجلی چلی گئی تھی؟

افضل: (گھبراتے ہوئے) میں پڑھنے میں اتنا مگن تھا کہ بجلی آنے اور جانے کا پتہ ہی نہیں چلا

راہ گیر: ارے تم سارا دن بھیک مانگتے ہو اور اب رات کو بھی بھیک مانگ رہے ہو شرم نہیں آتی۔

بھکاری: جناب مہنگائی کا زمانہ ہے دن رات محنت کرنی پڑتی ہے۔

بس میں سوار ایک کنجوس آدمی کرایہ کم ادا کرنے پر مصر تھا اور برابر جھگڑا کیے جا رہا تھا۔

کنڈیکٹر کو جو غصہ آیا تو وہ کنجوس کا ٹرنک اٹھا کر بس سے باہر پھینکنے لگا۔ کنجوس نے چلا کر کہا۔

"حد ہو گئی ہے ایک تو مجھ سے کرایہ زیادہ مانگ رہے ہو اور دوسرے میرے بیٹے کو بھی زخمی کرنا چاہتے ہو۔"

ایک شہری کسی دیہاتی کے ہاں گیا۔ دونوں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ شہری نے خاموشی کو توڑنے کے لیے پوچھا "اس گائے کے سینگ کیوں نہیں ہیں؟"

دیہاتی نے کہا "بعض گایوں کے پیدائشی نہیں ہوتے، بعض کے لڑائی جھگڑوں میں ٹوٹ جاتے ہیں اور بعض کے ہم خود کاٹ دیتے ہیں اور یہ جس کی تم بات کر رہے ہو، یہ گائے نہیں، گدھا ہے۔"

استاد (شاگرد سے): دستک کو جملے میں استعمال کرو!

شاگرد: جناب مجھے دس تک گنتی آتی ہے۔

کامیابی کا راز

انصاری محمد عمیس وسیم احمد

فوزان کلاس میں اکیلا بیٹھا تھا۔ اس کی سوچ کا دائرہ کوئز مقابلے کے گرد ہی گھوم رہا تھا۔ حالانکہ مقابلے کو دس روز ہو چکے تھے۔ اچانک اس کے استاد وہاں آ گئے۔ وہ چونک اٹھا۔ وہ پورے دس دن بعد اسکول آیا تھا۔ اپنے استاد ظفر سر سے بہت ڈر لگ رہا تھا کیونکہ اس کی ٹیم کی دینی کوئز مقابلے میں زبردست شکست ہوئی تھی۔ اسی وقت اس کی ٹیم کے ساتھی فرحان، زیدان، حمدان، زید اور امجد وہاں آ گئے۔ فوزان کی ہمت بندھائی اور کہا ''ہمیں مقابے میں لائف لائن استعمال کرنی چاہیے تھی۔''

کچھ دن بعد جب وہ اسکول گیا تو اس نے نہ ہی کھیل میں دلچسپی دکھائی اور نہ ہی پڑھائی میں۔ فوزان ہمت ہار گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب پڑھائی نہیں کروں گا۔ یہ بات اس نے ظفر سر کو بتائی۔ ظفر سر نے پرنسپل صاحب کو فوزان کے پڑھائی چھوڑنے کی خبر دی۔ پرنسپل صاحب کو بہت دکھ ہوا کہ ان کے اسکول کی شان جس طالب علم نے بڑھائی ہے۔ وہ لڑکا فوزان پڑھائی چھوڑ رہا ہے۔ پرنسپل صاحب نے اسے چھٹی کے وقت اسکول کے آفس میں بلا کر کہا ''فوزان تم پڑھائی کیوں چھوڑ رہے ہو۔'' فوزان نے کہا ''سر کوئز مقابلے میں ہارنے کے بعد محسوس ہوا کہ ہم نے مقابلے میں ہار کر پورے اسکول کا دل توڑا ہے۔ اس لیے میں نے اسکول چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

پرنسپل صاحب نے کہا ''فوزان! تم اتنی سی بات کے لیے پڑھائی چھوڑ رہے ہو۔ تم نے تو اپنی پوری محنت اور کوشش کی تھی نا! اگر ایک مرتبہ انسان کی شکست ہوتی ہے تو یہ مطلب نہیں کہ اسے آئندہ بھی شکست کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ شکست کے بعد اسے اور زیادہ جوش سے حصہ لینا چاہیے۔ تم کہہ رہے تھے کہ جیتنے والی ٹیم نے خود کو سکندر کہا ہے۔ یہ تو غلط بات ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

تاش کے پتوں سے محل نہیں بنتا
ندی کو روکنے سے سمندر نہیں بنتا
آگے بڑھتے رہو زندگی میں ہر پل کیونکہ
ایک جیت سے کوئی سکندر نہیں بنتا

فوزان! تمھیں سمجھانا میرا کام تھا۔ میں تمھیں مجبور تو نہیں کر سکتا۔ بس تمھیں سمجھا سکتا ہوں۔ تمھارا مستقبل تمھارے ہاتھ میں ہے فوزان۔

فوزان نے کہا ''سر آپ کا بہت بہت شکریہ! آپ نے مجھے سیدھی راہ دکھائی اور صحیح رہنمائی فرمائی۔ میں چلتا ہوں سر۔ لیکن میں پڑھائی نہیں چھوڑوں گا۔''

پرنسپل صاحب نے کہا ''فوزان بیٹا کامیابی کا راز یہی ہے کہ انسان کو کبھی بھی ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ وہ اٹھا اور چل دیا۔

Ansari Mohd Omais Waseem Ahmad
Firdaus Nagar Dholia, Maharashtra

مبشرہ خان جاوید خان

ایک خوب صورت موتی

صبح کا وقت تھا۔ بارش کا موسم تھا۔ اچانک بادل سے آنے والی بوندوں نے گفتگو شروع کی۔ ان کی گفتگو کچھ اس طرح تھی ساری بڑی بڑی بوندیں اپنے آپ پر بہت غرور کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ ہم بہت مہان ہیں ہم سے ہی جانداروں کی زندگی ہے ہم سے مل کر ہی سمندر بنتا ہے انہی بوندوں کے ساتھ ایک چھوٹی بوند بھی تھی جو یہ سب سن رہی تھی اور دل میں سوچ رہی تھی کہ یہ سب اپنے آپ پر فخر کر رہی ہیں لیکن سمندر میں جانے کے بعد وہ پوری طرح سے ختم ہو جاتی ہیں میں تو بہت چھوٹی ہوں میرا کیا ہوگا۔ وہ ڈرنے لگی اور اللہ سے دعائیں مانگنے لگیں۔

بچو اللہ کی شان کا کیا کہنا۔ اللہ کے حکم سے چھوٹی بوند کنارے پر گرنے والی تھی کہ سمندر کے کنارے وہیں پر ایک سیپ کھلی تھی۔ وہ بوند سیپ میں جا گری اور سیپ جلدی سے بند ہو کر سمندر کی تہہ میں چلی گئی۔

کچھ سالوں بعد وہاں سیپ نکالنے والے نے سمندر میں چاروں طرف اپنا جال ڈال دیا۔ جب جال باہر نکالا تو اس میں صرف ایک ہی سیپ آئی اور وہ بھی بڑی مشکل سے۔ یہ وہی سیپ تھی جس میں چھوٹی بوند جا گری تھی۔ سیپ نکالنے والوں میں جو ان کا سردار تھا وہاں آیا اور جال سے باہر نکالا۔ انھوں نے سیپ توڑا۔ ایک بہت خوبصورت چھوٹی سی بوند تھی جو کچھ سال تک سیپ کے اندر رہنے کے بعد موتی بن گئی تھی اور بے حد چمک رہی تھی۔ سیپ والوں نے جا کر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔

بادشاہ موتی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور موتی کو اپنے تاج کے بیچ میں لیا اور سیپ والوں کو انعامات سے نوازا۔ بادشاہ کے تاج میں جتنے بھی ہیرے لگے تھے ان میں موتی سب سے زیادہ چمک رہا تھا۔ اب اس موتی کی قیمت بے حساب ہو گئی تھی اور اب اس کی قیمت کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا تھا۔ بچو غرور کرنے کا انجام سوچو۔ وہ چھوٹی سی بوند ہی موتی بنی اور یہی بوند سمندر کا حصہ بنتی ہے۔ اس طرح ہم بھی اپنی کوشش سے کامیابی کی بلندیوں پر پہنچ سکتے ہیں۔

■

Mubashshira Khan Javed Khan
B.Z. Udu High School
Bhusawal, Distt.: Jalgaon

ننھے فنکار

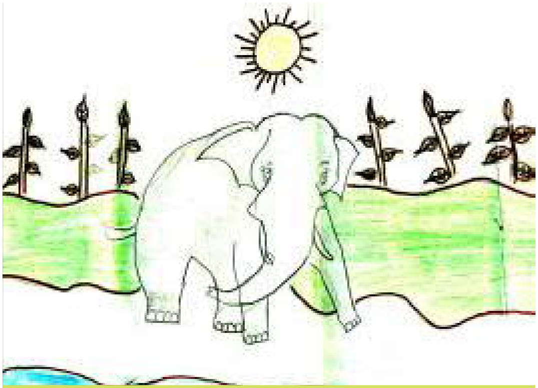

ماریہ اشفاق، جماعت پنجم، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر، تعلقہ شیر پور

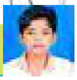

تصور خان بنت قیوم خان، تاج اردو ہائی اسکول، اکولہ

ثانیہ پروین، درجہ ہشتم
اردو پرائمری اسکول، راورکیلا (اوڈیشہ)

سامیہ ثمیر بنت شفیق خان، درجہ ہشتم بی، وارڈ

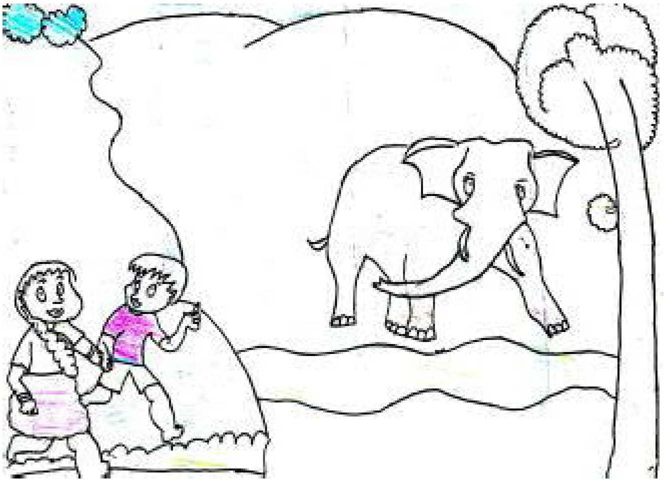

ماریہ ناز شیخ اشفاق، درجہ پنجم، ضلع پریشد، اردو اسکول، سبھاش نگر، تعلقہ شیر پور

طوبیٰ فاطمہ شکیل فاروقی، درجہ سوم،
مونیدا لمسلمین پرائمری اسکول، پکی بازار، پربھنی، مہاراشٹر

عباد وسیم، درجہ سوم۔اے، ایم سی ماڈل پرائمری اسکول، دہلی

عبدالسلام حق، گیان جوتی پبلک اسکول، راورکیلا، اڈیشہ

شیخ ماریہ مسعود رضا، درجہ ہفتم، کتھڑا محلہ، ناسک

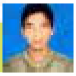

وحیدالدین احمد، شاہ پور بگھونی، سمستی پور، بہار

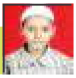

مرزا فہد بیگ بن ذکاء اللہ بیگ، راج پور ہائی اسکول، اولڈ سٹی، اکولہ، مہاراشٹر

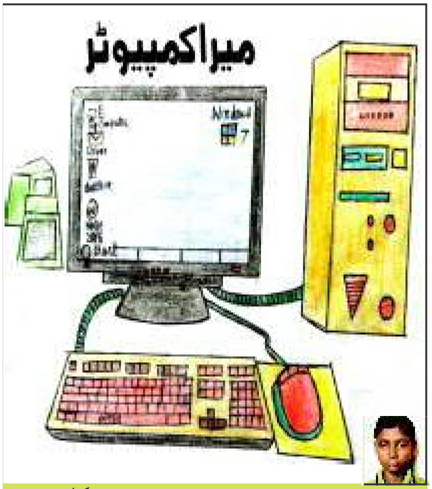

شاداب تبسم ابن فیاض احمد، ڈومن پورہ نزد باڑہ، مئوناتھ بھنجن، یوپی

Facebook اردو فیس بک

❑ 'بچوں کی دنیا' کی کہانیاں، نظمیں اور مضامین بہت اچھے ہوتے ہیں۔ یہ رسالہ ہمارے اسکول کے سارے بچے پڑھتے ہیں۔

مبارک شہاب الدین لوٹے، درجہ چہارم، ضلع پریشد اردو اسکول، پاچل، رتنا گیری

❑ 'بچوں کی دنیا' بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ اس رسالے میں بچوں کی کہانیاں، سائنس کی معلومات، جانوروں کی معلومات، نظمیں، کارٹون، کہانیاں، اشعار، دماغی ورزش وغیرہ بہت ہی اچھے لگتے ہیں۔

مہک ریاض فراس، درجہ پنجم، ضلع پریشد اردو اسکول، پاچل، رتنا گیری

❑ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ اس رسالے میں بہت سی نئی نئی معلومات ہوتی ہیں۔ اس کو پڑھنے سے دل میں نئی امنگیں اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔

مبین نفیس علی بوبڑے، درجہ پنجم، ضلع پریشد اردو اسکول، پاچل، رتنا گیری

❑ میں ماریہ بانو اشتیاق احمد، زکریا گھاڑی اردو پرائمری اسکول میں زیر تعلیم ہوں۔ میں سوم جماعت کی طالبہ ہوں۔ مجھے بچوں کی دنیا بہت پسند ہے۔ میں روزانہ 'بچوں کی دنیا' مطالعہ کرتی ہوں جس کی وجہ سے ہمیں اردو پڑھنے میں آسانی ہو رہی ہے۔

ماریہ بانو اشتیاق احمد، مراد عو پورہ پٹیل کے پاس، دھولیہ

❑ میرا نام محمد ایان ہے۔ ابھی میں اسکول تو نہیں جاتا۔ مگر میرے پاپا 'بچوں کی دنیا' گھر پر لاتے ہیں۔ میں اسے کھول کر دیکھتا ہوں۔ اس میں تصویریں اور ڈرائنگ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔

محمد ایان، شاہین باغ، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی

❑ میرا نام محمد احتشام ہے۔ میں اردو میڈیم اسکول میں پڑھتا ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ ہر مہینے اِس کا بے صبری سے انتظار کرتا ہوں۔ اس کا ہر شمارہ اتنا خوب صورت ہے کہ میں اس کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔

محمد احتشام محمد ذاکر، نئی بستی مایگاؤں، مہاراشٹر

❑ میرا نام مدیحہ صدف ہے۔ میں جماعت ششم کی طالبہ ہوں۔ ہمارا اسکول بابا صاحب دھابیکر ودھیالیہ کافی بڑا ہے اور ہمارے گاؤں کا قدیم اسکول ہے۔ ہمارے اسکول کی دوسری اور سب سے منفرد خوبی یہ ہے کہ ہمارا اسکول اردو اور مراٹھی میڈیم کا مشترکہ اسکول ہے۔ 'بچوں کی دنیا' کی میں قاری ہوں۔ ہمارے ابو بچوں کے بہت سے رسائل گھر لاتے ہیں مگر مجھے سب سے زیادہ اسی کا انتظار رہتا ہے۔

مدیحہ صدف سید علی، بارسی ٹاکلی، ضلع آکولہ، مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

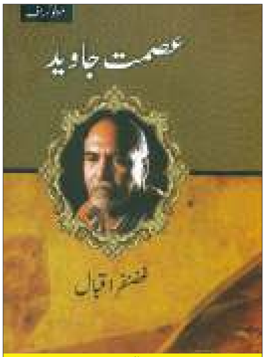

صفحات:102، قیمت: 68 روپے

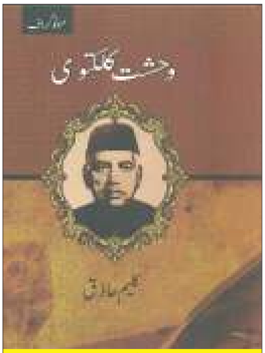

صفحات:140، قیمت:82 روپے

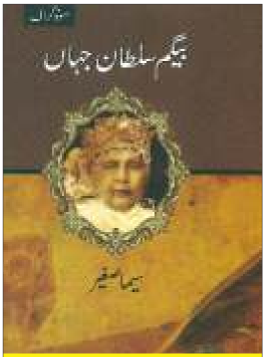

صفحات:144 ، قیمت:83 روپے

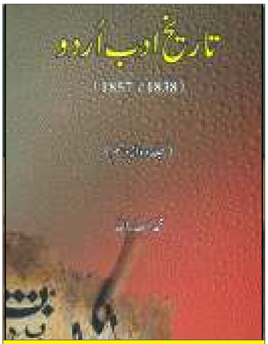

صفحات:572، قیمت 243 روپے

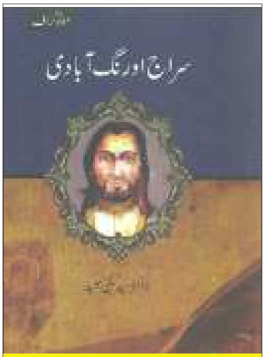

صفحات:129، قیمت: 78 روپے

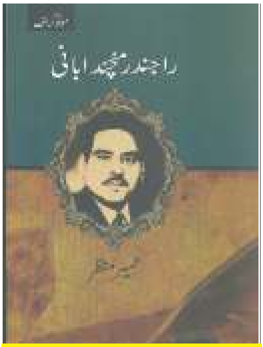

صفحات:122، قیمت:76 روپے

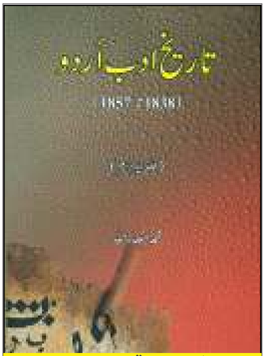

صفحات:618، قیمت:229 روپے

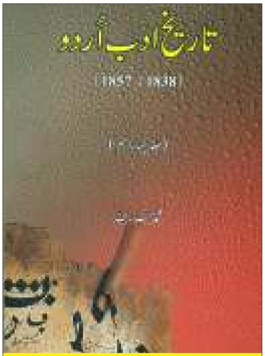

صفحات:505، قیمت:215 روپے

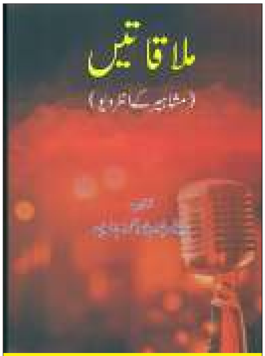

صفحات: 578، قیمت:241 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, August 2016, Vol. 04, Issue: 8
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/07/16
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات: 24، قیمت :9.50 روپے

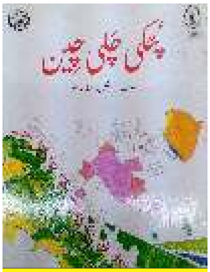
صفحات: 16، قیمت: 15روپے

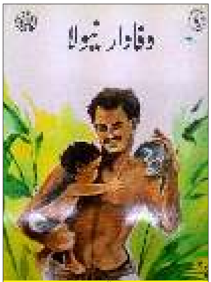
صفحات: 16 ، قیمت:7 روپے

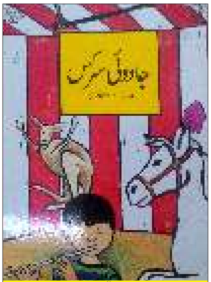

صفحات:16 ، قیمت:15 روپے

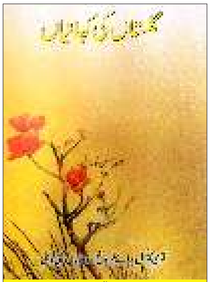
صفحات: 68 ، قیمت:18 روپے

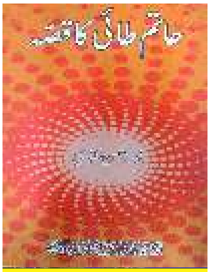

صفحات: 120، قیمت: 22 روپے

صفحات:147، قیمت:21 روپے

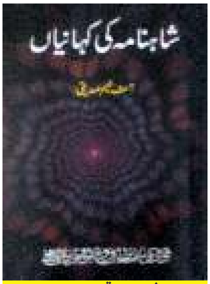

صفحات:95 ، قیمت:20 روپے

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language,
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.